

# در در

والد صاحب الحاج <sup>رحمة الله عليه</sup> ميا نور محمد خاندان مجدد اعلا

آگے

سوانح حیات

2367  
144

~~2367~~

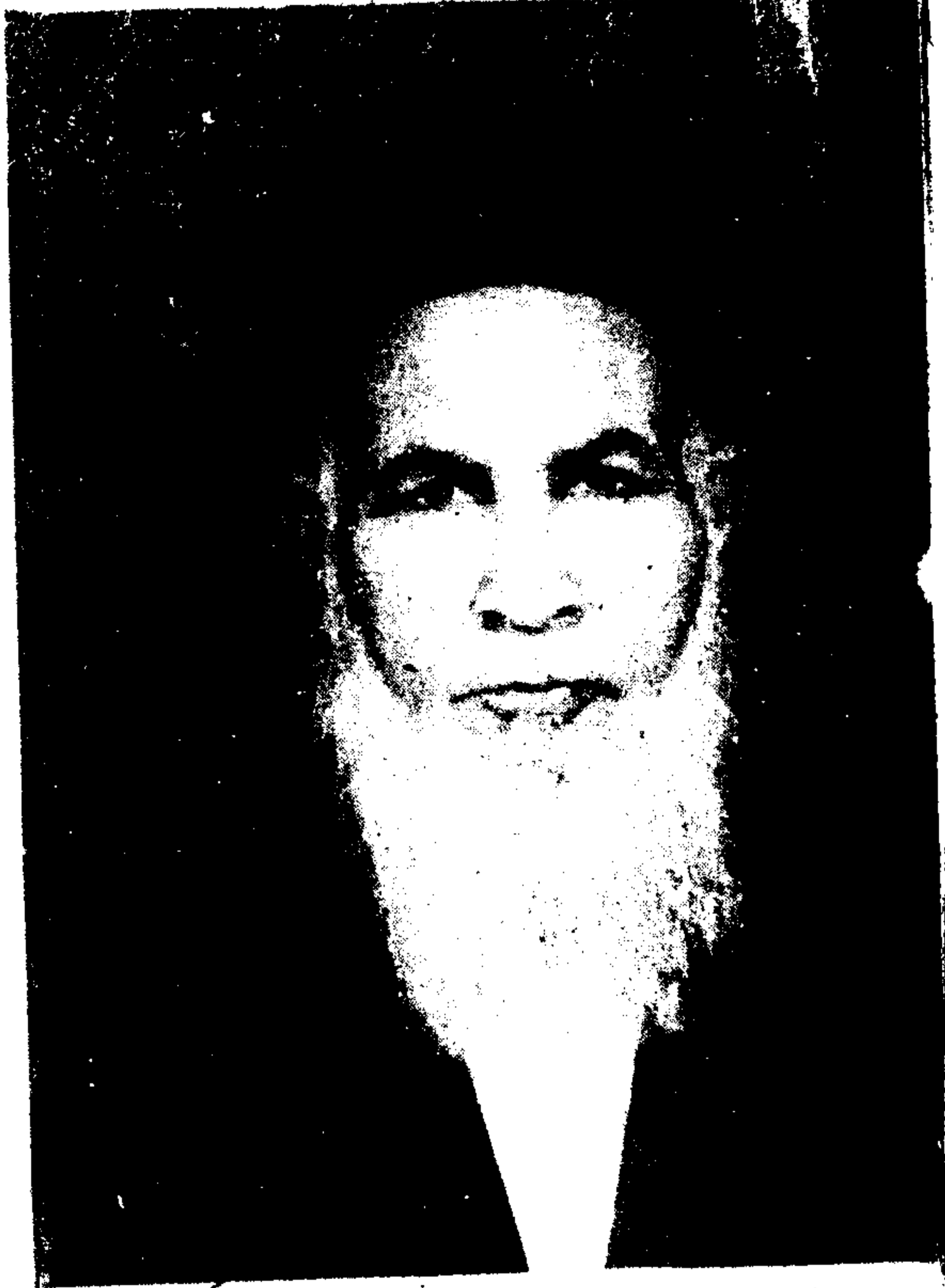


محمد نواز فرزند اکبر و خلیف الرشید الحاج ميا نور محمد صاحب





2367



دائمی کتاب عذرا

محمد نواز فرزند اکبر و خلف الرشید الحاج میاں نور محمد صاحب مرحوم (راقم الکتاب)

137090

# تکمیل ارشاد برادرِ اصغر حاجی محمد شفیع

بقول شخصے ے

○  
تمنا سے کہ اس دنیا میں کوئی کام کر جاؤں  
اگر کچھ ہو سکے تو خدمتِ اسلام کر جاؤں

○  
کیا فروریٰ ایران نے اسلام کو زندہ  
خدا توفیق دے تو میں کروں ایمان کو زندہ

○  
کروں میں بھی رقم سوانح اپنے اجداد کی  
توفیقِ ایزدی سے ہو مکمل تکمیل ارشاد کی

○  
دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے  
پر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# انکسار پیشکش

اے پر خلوص یادوں اور صد مزار عقیدت کے آنسوؤں سے جو زندگی بھر اپنے والدین قبلہ و کعبہ احاج میاں لور محمد صاحب مرحوم و مغفور کے ساتھ رہیں، نیز اپنے والدہ صاحبہ مرحومہ مائی اللہ رکھی المشور مائی سے حاجت سے صاحبہ مرحومہ کے ساتھ رہیں، اپنے اسے مختصر تانیف کو عزیز کے برادر اصغر، خاندان کے ایک زیرک سپوت سے احاج محمد شفیع کے نام تانکے اسم گرامی کے خدمت سے اقد سے یہ پیش کرنے کے جارت سے کرتا ہوں۔

گر قبول نہیے عزت و شرف

تھاکسام  
محمد نواز قصوی

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حضرت قبیلہ و کعبہ و الدبیر گوارا حاج میاں نور محمد صاحب  
کی تربیت و حضرت مولانا مولوی الحاج عبدالرحمن صاحب مرحوم و  
مغفور خطیب جامع مسجد کوٹ فتح دین خاں قصور کے فیضانِ صحبت  
نے مجھ جیسے کم علم خاکسار کو اپنے والدین و خاندان کے ہدایت  
امجد مرحومین کے محاسنِ زندگی کے یہ موتی چن کر سجانے کی  
سعادت عطا فرمائی۔

برکریاں کار ہائے دشوازیست

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

تیسے کرم سے بے نیاز کون سی شے ملی نہیں  
جھولی ہی میری تنگ ہے تیرے یہاں کمی نہیں

مرتب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## حمد و ثنا کے کبریا جملہ

بارگاہِ ربُّ العزت میں امتدادِ عجز و نیاز

یا اللہ! میں سچے دل سے اقرار کرتا ہوں کہ تو ایک واحد و احد ہے۔ تجھ جیسا کوئی نہیں۔ تیری ذات و صفات میں کوئی شریک نہیں۔ تیری ذات حلولِ تجسم سے پاک ہے۔ حل مشکلات، کارساز، بگڑی بنانے والا، فریاد کا سننے والا، روزی دینے والا، ہر کسی کی مصیبت میں کام آنے والا تو اور صرف تو ہے۔ عام و خاص، عزیز امیر، بادشاہ و گدا، جاہل و عالم، اولیا و آئینا سب تیرے ہی محتاج ہیں جس کو جو کچھ ملتا ہے تیرے ہی در سے ملتا ہے۔ تیرے حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی نہیں ہل سکتا۔ یہ تیری اور صرف تیری قدرت ہے کہ تو مخلوق اور کائنات کی رقی رقی بھر حال کی خبر رکھتے ہو۔ سمیع و بصیر اور علیم و خبیر تو ہے۔ اے رب العالمین! مجھے ایسی توفیق عطا فرما کہ مرا مرنا، جینا خالص تیرے لئے ہو۔ میری ساری تمنائیں، آرزوئیں اور ارادے تیری مرضی کے تابع ہو جائیں۔ یا اللہ! مجھ میں ایسا اخلاص پیدا فرما کہ میں کسی نیک کام پر تیرے سوا کسی سے



صاحبِ افعالِ صالحات  
 نہ تو قدر شناسی اور اجر و ستائش کی تمنا رکھوں اور نہ کسی سے خوف کروں  
 تیرے ذکرِ پاک سے قلب میں حلاوت و اطمینان محسوس کروں۔ یا اللہ!  
 جب میں قیامت کے دن تیرے حضور حاضر ہوں تو اس پیشانی پر تیرے  
 غلامی اور بندگی کے سوا اور کسی آستانے کے غبار کا ایک ذرہ بھی لگا  
 ہو نہ ہو۔ یا اللہ! میں صرف تیری چشمِ کرم کا امیدوار، تیرے در کا سوالی،  
 تیرے آستانے کا فقیر، تیرے کوچے کا بھکاری ہوں۔ عزت، ذلت  
 کا دینے والا تو ہے۔ میں تجھ سے تیرے عفو و کرم اور رحمت کا امیدوار  
 ہوں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ میں اپنے عاجز ہونے کا صمیم  
 قلب سے اقرار کرتا ہوں۔ یا اللہ! میں آپ کی پوری تعریف نہیں کر  
 سکتا۔ بس! آپ ویسے ہی ہیں جیسا آپ نے خود اپنی تعریف کی ہے۔  
 اے رب! تو دے مجھے دنیا میں نیکی اور عقبیٰ میں نیکی اور مجھے بچا  
 آگ کے عذاب سے۔ (آمین تم آمین)

مہبتنا متقبل منا انک انت السميع العليم

تو تو جس خاک کو چاہے وہ بنے بندہ پاک  
 میں خدا کس کو بناؤں کہ جو خفا تو ہو جا

مقدر ہیں کب تیرے وصفوں کی رقم کا

حقا کہ تو خداوند ہے لوح و قلم کا

جس مسندِ عزت پہ کہ توجہ لو نما ہے

کیا تاب و گزر ہوئے تعقل کے قدم کا

ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب کا  
 اور دل میں بھروسہ ہے تو فقط تیرے کرم کا  
 مانند جاب آنگھ تو اے درد کھلی تھی  
 کھینچا نہ پر اس بہر میں عرصہ کوئی حرم کا  
 (سُبْحَانَ اللَّهِ !)





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْ خَیْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدًا وَّآلِهِ وَسَلَّمَ

## بدیہ عقیدت

بمختصر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

دہریہ قائم ہے جب تک بزم ہستی کا نظام  
 ذاتِ اقدس پر ہزاروں رحمتیں لاکھوں سلام

قیامت تک خدائی کے حقیقی رہنما تم ہو  
 نبوت فخر کرتی ہے کہ ختم الانبیاء تم ہو  
 کرے کیونکر یہاں کوئی مختاری شانِ محبوبی  
 جو دنیا کو پسند آئے وہ ہر اچھی ادا تم ہو

خدا آفر خدا ہے اس کی عظمت کا کیا کہنا  
 خدا کے بعد جو کچھ بھی ہو محبوبِ خدا تم ہو  
 کسی نے کہہ دیا خاکی کسی نے کہہ دیا لوسی  
 زمانہ آج تک سمجھا نہیں یہ راز کیا تم ہو  
 لکھنی ہی نہیں جیسے شاعروں نے سینکڑوں نظموں  
 مگر جب غور سے دیکھا تو سب سے ماورا تم ہو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## دیباچہ

مری انتہائے نگارش یہی ہے تیسرے نام سے ابتدا کر رہا ہوں عزیز سے الحاج محمد شفیع صاحب برادر اصغر سلمہ کا مجھے اس بات کی ترغیب دیتے رہنا کہ اپنے خاندان اور اپنے محترم والدین مرحومین کے نقوش کو ابھارنے کی کوشش کرو، قابل صد ستائش ہے۔

نیک دل والدین کے نیک دل بیٹے کا یہ خیال تھا کہ اپنے جدِ امجد پر دادامیاں چوہدری خدابخش صاحب مرحوم و مغفور سے لے کر خاندان کی سوانح حیات مرتب کی جائے اور ان کے عزیزوں کے سینے سٹول کر ان کے دلوں سے مرحومین کی یاد اور میرت کے دیے ہوئے نقوش کو باہر نکال لیا جائے، تاکہ گلشن نور کے نوشگفتہ پھول اور آنے والے اپنے مورثِ اعلیٰ کی بلندیِ اخلاق، انسان دوستی، دیانت داری کے اعلیٰ معیار کو مشعلِ راہ بنائیں۔ مجھے اس سے سو فی صدی اتفاق ہے بلکہ میں ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ کہنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتا کہ یہ فقط ان کی میراث نہیں بلکہ یہ متاعِ بے بہا دراصل سارے خاندان کی میراث ہے۔ یہ سب فرزندان نور کے کام آتے گی۔ یہ اقدام بذاتِ خود نہایت مستحسن ہے۔ عزیز محمد شفیع سلمہ نے یہ مشکل کام مجھے



کم استعداد کے سپرد کیا ہے تاکہ اندرونِ خانہ قسم کے حالات مرتب کروں۔  
 ساتھ ہی اپنے تعاون کا یقین دلایا اور فرمایا کہ حتی المقدور میں بھی ہاتھ بٹاؤں  
 گا۔ چنانچہ اس یقین دہانی کے ساتھ میں نے ارشادات کی تکمیل کا حق ادا کرنے  
 کی سعی ضرور کی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قلم کا جھکاؤ کہیں مبالغہ کی طرف ہو گیا ہو مگر  
 بحیثیتِ مجموعی میں نے حقیقت کے رنگ میں مرتب کرنے کی پوری سعی کی ہے۔  
 عزیزم کے سہمِ اصرار پر اس عظیم اور مقدس کام کو لکھنے کی جسارت کی ہے۔ میں  
 اس کا اہل تو نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد کی توقعات لئے  
 ہوئے ان مقدس ہستیوں کی زندگی کے بعض پہلو قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے۔  
 بارگاہِ خداوندی میں التجا ہے اور اُمید واثق ہے کہ وہ مجھے ضرور میرے خاندان  
 اور والدین کی پاک زندگی کے حالات لکھنے میں میری مدد فرما کر ان کے حق ادا  
 کرنے کی توفیقِ ارزانی فرمائیں گے۔ (وما ذنبی إلا باللہ)۔

یہ یادداشت جو میں لکھ رہا ہوں محض اپنے والدین کو جیسے دیکھا اس  
 کی ایک سیدھی سادھی روئداد ہی نہیں بلکہ ایک انسان کی حیثیت سے اُن  
 کے ذاتی اوصاف کی روشنی کا پر تو ہے۔ اپنی کم علمی بے مانگی کا احساس  
 اور علمی بے بضاعتی کا اعتراف ہے۔ قابلِ فخر اگر کوئی بات ہے تو صرف یہ  
 کہ میں اپنے خاندان کی عزت و توقیر اور درد مندی کا احساس رکھتا ہوں اور  
 یہ درد مندی میرا سرمایہ افتخار ہے۔ اپنے والدین کے اوصافِ حمیدہ محاسن  
 پر پوری روشنی تو نہیں ڈال سکا جن کے وہ مستحق تھے۔ زبان ان کے محاسن  
 و اخلاق کے بیان سے قاصر اور قلم اُن کے مکارم، شرافت کو قلم بند کرنے

سے عاجز۔ تاہم اگر ایسی نیک ہستیوں کے صفات حسنہ کا مختصر ذکر ہو جائے تو اپنی کمال سعادت مندی سمجھوں گا۔ اس ثمرت ہی کو اپنی کامیابی اور خوش نصیبی کے لئے کافی تصور کروں گا جو مجھے اس کتاب کے ذریعے اپنے آباؤ اجداد کو معارف کرانے کے سلسلے میں حاصل ہوں گی۔

ع حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

وہ صورتیں الہی کس ریس بستیاں ہیں

اب جن کو دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ میں اپنے عزیزوں کے سینے <sup>طٹول</sup> کر

اپنے جد و امجد آباؤ اجداد کے نفوٹ کو اجاگر کروں چنانچہ میں نے اپنے قریبی

عزیز حاجی فضل دین صاحب قانونی جو کہ میری حقیقی پھوپھی کے داماد بھی

ہیں۔ اس وقت ان کی عمر ۸۰ سال سے تجاوز کر چکی ہے، ان سے استفادہ

کیا ہے۔ نیز برادر م حاجی محمد رفیع صاحب نے بھی کافی مواد مہیا کیا ہے۔ اللہ

تعالے کے حضور دعا ہے کہ وہ میرے اس عمل کو منظور و مقبول فرمائے اور

اس کتاب کو میرا ذریعہ نجات بنائے۔ آمین ثم آمین!

مجھے بیداری تقدیر دے دے

کمال خامہ و شمشیر دے دے

وفا کو غیرتِ شیر دے دے

میرے ہر لفظ میں تاثیر دے دے

الہی! صدقہٴ سالارِ کونین

جنوں ہے خدمتِ انسان کا مجھ کو

عطا کر استحقاقِ حیدر

زبان کو راستی کی بھیک دیدے



بِسْمِ اللّٰهِ حَسْبُ الْاِبْتِدَاءِ  
وَسَالَةُ الْمَهْمِ فِي الْاِنتِقَاءِ

## تعارف

از قلم: محمد شفیع عفی عنہ، ہدینہ آلس فیکٹری قصور

۔۔ مادی قدروں کا شمار ایسے سعادت مندوں کا بہت کم پاتا دیتا ہے جنہیں اپنے خاندان کی خیر اور آخرت کی کچھ فکر ہو۔ عصر حاضر کا معاشی نظام اس قدر بگڑا ہوا ہے کہ کسی فرد کی نگاہ دنیوی ضروریات اور کھل من امن پید کی جولان گاہ سے آگے نہیں بڑھتی۔ ایسے سعادت مند بہت کم ہوتے ہیں جنہیں دنیا کی بڑی سے بڑی راحت محض ایک پل دکھائی دیتی ہے اور وہ اپنے خاندانی ورثہ کو آنے والی لسنوں میں منتقل کرنے کے لئے دن رات ایک کر دیتے ہیں۔

میرے زیر نظر تالیف ”تذکار نور“ ایک ایسے ہی سعادت مند بزرگ کی تصنیف ہے جو بادی النظر میں فنٹ کلاس بوائے انجینئر ہے لیکن ”تذکار نور“ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے اور ایک خوشگوار حیرت ہوتی ہے کہ مصنف صرف انجینئر ہی نہیں بلکہ علم و ادب سے واقف ایک بلند پایہ مصنف بھی ہے جس نے اپنے خاندانی ورثہ کو آنے

والی نسلوں میں منتقل کر کے ثواب دارین حاصل کیا ہے۔

عربی کی ایک مشہور مثل ہے کہ "قدما الشہادۃ قدما الشہود" یعنی کسی تصنیف و تالیف کی عظمت و خوبی اس کے مؤلف کی عظمت و شخصیت سے جاتی جاسکتی ہے۔ "تذکار نور" کی تالیف سنجیدہ اور مضامین کی قبولیت و عظمت کے لئے یہ کافی ہے کہ جناب حاجی محمد نواز صاحب کا اسم گرامی لے لیا جائے چھٹوں نے "تذکار نور" کی تالیف میں دن رات کام کیا۔ اگرچہ ان کو حاجی فضل الہی صاحب اور راقم الحروف نے ابھارا کہ خاندانی وراثت کو اپنی آنے والی نسلوں میں منتقل کرنے کے لئے اسے کتابی شکل میں محفوظ فرمائیں لیکن جس خوش اسلوبی اور کمال مہارت سے انھوں نے اس کام کو سرانجام دیا ہے، یہ صرف انھی کا حصہ ہے۔

میرے نزدیک کسی خاندان کی پستی و ذلت کی وجہ محض اپنے آباء و اجداد کی تاریخ کو فراموش کر دینا ہے جو خاندان اپنے اسلاف اور اس کے بنانے والی مایہ ناز ہستیوں کو بھلا دیتا ہے اس کے تمام جذبات اور اہمگیں، حوصلے اور ولولے سلب ہو جاتے ہیں جو فی الحقیقت خاندان کی زندگی و تحریک کا سبب اور نشوونما کا باعث ہوتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس خاندان کا تمام صفو، روزگار سے مٹا چلا جاتا ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے  
 نام نیک رفقاں ضائع مکن  
 تا یماند نام نیکیست برقرار

اسی خیال سے متاثر ہو کر راقم الحروف نے اپنے برادرِ اکبر جناب حاجی محمد نواز صاحب کے سامنے تجویز پیش کی کہ افرادِ خاندان کو بیدار کرنے کے لئے اسلاف کے حالات کو تحریر فرمائیں اور اسخانِ خاندان کے سامنے قدمائے خاندان کے اخلاق اور حالاتِ زندگی کے صفاتِ حمیدہ کا ایک قابلِ تقلید نمونہ تحریر فرمائیں۔

در اصل "تذکارِ نور" کا مسودہ مجھے عرصہ ہوا، جناب میاں محمد نواز صاحب نے مطالعہ کے لئے دیا لیکن بعض نا عاقبت اندیشوں نے خاندانی حالات کو اس قدر بگاڑ دیا کہ بندہ عدیم الفرست ہو گیا۔ بندہ مورخہ ۸۴/۶/۲۴ کو جب عمرہ پر گیا تو خدا کے حضور خاص دعا کی کہ اے خدا! مجھے توفیق دے کہ میں جناب میاں محمد نواز صاحب کے مسودہ کا مطالعہ کر سکوں۔ بالآخر خدا نے میری دعا قبول فرمائی اور میں آج مورخہ ۸۴/۷/۲۸ کو حضور میں بیٹھ کر مطالعہ کرنے کے بعد چند عقیدت کے الفاظ قلم بند کر رہا ہوں۔ اگرچہ میرے پاس اپنے برادرِ اکبر کی تعریف کرنے کے لئے ان کے شایانِ شان الفاظ نہیں لیکن پھر بھی ۵

"تذکارِ نور" سے کھلا راز تیری قابلیت کا  
پس شیخ تو ہو گیا قائل تیری علمیت کا

گر قبول افتد زہے عز و شرف



# خزاج عقیدت

از: حاجی محمد شفیع مدینہ انیس فیکری قصور

بالآخر کامیابی سے ہو گئے ہمکنار جناب محمد نواز  
تذکار نور لکھ کے فارغ ہو گئے جناب محمد نواز  
بہت مشکل تھا یہ کام جو تو نے کر دکھایا  
مبارک باد سکھ مستحق ہو گئے جناب محمد نواز  
آل نور سے تیرا یہ احسان بھلایا نہ جائے گا  
قاندان پر جس طرح مہربان ہو گئے جناب محمد نواز  
سوچتا ہوں کن الفاظ سے تجھ کو نوازوں ابے نواز  
آپ تو پہلے ہی سبقت لے گئے جناب محمد نواز  
دلوں سے نچو ہو چکے تھے جن کے نقش پا بھی  
تیری قلم نے روشن کر دکھائے جناب محمد نواز



تیرے بلبلد بالانجالیوں نے روشن ہمارا مستقبل کر دیا  
دین و دنیا میں شفیق مہر خرو ہو گئے جناب محمد نواز  
بن جائے — حاجی محمد شفیع مدینہ انیس



# فلسفہ موت

كُلِّمْنَا عَلَيْهِمَ فَايُنَ

(القرآن)

اس آیت کی تشریح معنی موت کے متعلق باتیں

ہر فرد و بشر پر موت کا آنا اور ہر چیز کا فنا ہونا لازمی ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ فانی ہے۔ قانون خداوندی ہے کہ امیر و فقیر، شاہ و گدا، نیک و بد غرضیکہ ہر آدمی موت کا شکار ہونے والا ہے۔ مقولہ ہے کہ موت سب کے ساتھ مساویانہ سلوک کرتی ہے۔ ہر شے مسافر، ہر چیز راہی۔ کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور یہ بالکل عقل سلیم اور فطرت مستقیم کے عین مطابق ہے کہ مرنے کے بعد انسان بالکل معدوم نہیں ہو جاتا حتیٰ کہ اس کی روح جو کہ زندگی میں انسان کے جسم کو محرک اور باعثِ زلیت تھی، مٹ جائے۔ یہ بات غیر واقعی ہے بلکہ مسلمان عذابِ قبر، حشر، قیامِ قیامت اور جزا سزا کا قائل ہے۔ گویا مرنے کے بعد انسان ایک نئی زندگی میں قدم رکھتا ہے اور اس کے لئے مسلمان کو مروت تیار رہنا چاہیے جسور صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کو مروت یاد رکھنے پر زور دیا ہے تاکہ انسان اپنی زندگی کو

سوار سکے۔ کیونکہ آخرت کی زندگی کے سوار نے اور بگڑنے کا انحصار  
اسی دنیاوی زندگی کے درست ہونے اور برباد ہونے پر موقوف ہے  
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی  
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ نالی ہے

حدیث شریف میں آیا ہے :

اکثر و ذکری ہادم الذات الموت

یعنی موت چو لذاتِ دنیوی کو ختم اور یکسر منقطع کرنے والی ہے  
اسے کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ ابدی زندگی کو درست کرنے کا فکر آپ  
میں پیدا ہو جائے

پیامِ مرگ سے اے دل تیرا کیوں دم نکلتا ہے  
مسافر روز جاتے ہیں یہ رستہ خوب چلتا ہے

اے بے خبر احوال کا کیا اعتبار ہے

ہر وقت موت <sup>منازلہ</sup> پہنچنے کے سر پر سوار ہے

کیا تم نے کسی دن کوئی جنازہ دیکھا؟ کیا تم اس کو جانتے ہو  
کون ہے۔ جب یہ چلتا تو زمین ہل جاتی تھی اور جب بات کرتا  
تو لوگوں کے کان کھڑے ہو جاتے تھے اور جب غصے ہوتا تھا

لوگ ہیت کھا جاتے تھے۔ لیکن کیا ہوا اس پر۔ یہ وقت آیا کہ  
یہ روح جسم سے اور لاشہ کے اوپر ایک کتھی بیٹھ جائے تو ہتھیار  
نہیں سکتا اور اگر اس کو کوئی گھسیٹ لے جائے تو اپنے آپ کو



نہیں سکتا۔ کیا تم بھی ان جگہوں سے گزرے ہو جہاں چھوٹی چھوٹی گھاس  
اُگی ہے اور پتھروں کے نشانات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبریں ہیں۔  
پھر بتاؤ کہ ان واقعات اور مشاہدات کے بعد کیوں نہیں یقین کرتے  
کہ دنیا میں آخر موت ہے۔

گر لاکھ برس جیسے تو پھر مرنا ہے  
ہاں تو شبہ آخرت مہیا کر لے  
پمانہ عمر ایک دن بھرنا ہے  
غافل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

کون سا جھونکا بھجا دیگا کسے معلوم ہے  
زندگی اک شمع روشن ہے ہوا کے سامنے

ہر کام کہ ہے وقت مقرر کئے گھیرا  
پر نہیں اے موت وقت مقرر تیرا  
ایمیر اپنی امارت پر ناز کرتا ہے اور بہادر اپنی بہادری پر، جوان اپنی  
جوانی پر، تندہ دست و توانا اپنی صحت پر، اور گمان کرتا ہے کہ یہ چیزیں برقرار  
رہیں گی۔ لیکن ہائے! ہے کوئی ایسی چیز جو موت سے بچی ہو۔

تماشائے عبرت ہے دنیا کا منظر  
کھڑتا یہاں فی الحقیقت نہیں ہے

کیسے عدم کے لوگ مسافر نواز ہیں  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کو زیادہ سے زیادہ یاد کرنے  
کا حکم دیا ہے تاکہ طمع و حرص کے جبال سے نکلوا اور دل کی سختی اور وعظ و  
نصیحت سے تاثیر قبول کرنے والے بنو۔ موت کو یاد کرو تاکہ اس کی تیاری

کر سکو۔ اس لئے کہ دنیا ایک مہزاتے ہے۔ تم وہاں اترتے ہو تو سفر سوار  
 رہتا ہے اور آگے چلنے کی تیاری کرتے ہو تو تم نہیں جانتے کہ کب پیغام  
 آجائے۔ اگر تم تیار رہو گے، ساز و سامان باندھے رہو گے تو حکم پر تیار  
 رہو گے۔ پس موت کی تیاری رکھو تو بے کے ساتھ جو پاک صاف کرنے والی  
 ہے اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ اور ظلم و ستم سے بچے رہو تاکہ لوگوں کے  
 ساتھ تمہارا معاملہ درست رہے۔ یاد رکھو! کبھی یہ نہ کہو کہ میں جوان  
 ہوں۔ کبھی یہ نہ کہو کہ میں امیر ہوں۔ کبھی یہ نہ کہو کہ میں بڑا ہوں۔ اس لئے  
 کہ جب عزرائیل علیہ السلام آویں گے تو نہ تم جوان کو پہچانیں گے نہ بوٹھے  
 کو نہ بڑے کو، نہ چھوٹے کو، نہ امیر کو، نہ فقیر کو۔ اور تم کو معلوم ہے  
 کہ حضرت عزرائیل کب تمہارے دروازے آکھٹکھٹائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ  
 علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور! کیا کوئی شخص شہیدوں کے دہے کو بھی  
 پہنچ سکتا ہے؟ فرمایا، ہاں! جو شخص دن میں بیس بار موت کو یاد کرے۔  
 ایک عورت نے جنابہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا کہ  
 میرا دل بہت سخت ہے۔ آپ نے اسے موت یاد کرنے کو فرمایا۔ اس  
 عورت نے ایسا ہی کیا اور وہ سختی اس کے دل سے جاتی رہی۔

کیا یہ بے عقلی نہیں کہ آخرت کی دائمی زندگی کا سرور اور اللہ تعالیٰ  
 کی رضامندی اور خوشنودی کو چھوڑ کر، شرعی حرام و حلال کو بھلا کر انسان  
 چند روزہ دنیاوی عیش و آرام کی خاطر محض دنیا کا بندہ بن جائے اور

دنیاوی ترقی کی حد سے آگے اس کی نظر نہ بڑھے۔ مالکِ حقیقی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہی رہنے والا ہے یعنی ابتدا سے ہے اور انتہا بھی اسی ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے ہے۔ اور وہ ہمیشہ ہی زندہ رہنے والا ہے۔ بقا اسی کی ذات کو ہے ورنہ ہمارے لئے تو اس نے واضح طور پر فرمایا ہے:

عَل تَنْفَسُ ذَاتُكَ الْمَوْتَ

قافی ہر اک چیز یہاں لا کلام ہے ! کہتے ہیں جس کو باقی وہ اللہ کا نام ہے

## دسویں عبرت



جہاں میں عبرت کے ہر سونے کے گمبھ کو اندھا کیا رنگ بوانے  
 کبھی غور سے بھی یہ دیکھا ہے تو نے جو بھرے تھے وہ محل اب ہیں سونے  
 جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے  
 یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے  
 ملے خاک میں اہل شاں کیسے کیسے مکین ہو گئے لامکاں کیسے کیسے  
 ہوئے نامو بے نشاں کیسے کیسے زیب کھا گئی نوجوان کیسے کیسے  
 جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے  
 یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے





موت نے کبیرا بھی نہ چھوڑا نہ دارا  
 اسی سے سکندر سا فاتح بھی ہارا  
 ہراک لیکے کیا کیا نہ صوت سدھارا  
 پڑا رہ گیا سب پوتھی ٹھاٹھ سارا

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے

یہ عیبت کی جا ہے تماثہ نہیں ہے

تجھے پہلے بچپن نے برسوں کھلایا  
 جوانی نے پھر تجھ کو مجنوں بنا دیا  
 بڑھاپے نے پھر آگے کیا کیا ستایا  
 اجل تیرا کرے گی بالکل صفا دیا

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے  
 یہ عیبت کی جا ہے تماثہ نہیں ہے



## فلسفہ موت

یہ مہرائے دہر مسافر و بخت را کسی کا مکان نہیں  
 جو مقیم اس میں تھے کل یہاں کہیں آج ان کا نشان نہیں  
 بہ رواں عدم کو ہے کار رواں بشر آگے پیچھے ہیں سب رواں  
 چلے جاتے ہیں سب کتھاں کتھاں کوئی قید پر و جواں نہیں

درہا سکندری حشم نہ رہے وہ دارا اور حشم  
 جو بنا گیا تھا یہاں ارم تہ خاک اس کا نشان نہیں  
 نہ سخی رہے نہ تعنی رہے نہ ولی رہے نہ نبی رہے  
 یہ اہل کا خواب وہ خواب ہے کوئی ایسا خواب کہاں نہیں  
 یہ ہے موت ایک عجیب بتر کہ صفیائے عقل ہے واں کدر  
 وہ ہے تیرے وقت کی منتظر تھے اس کا وہم و گماں نہیں  
 وہ جھپٹ کے تجھ پہ جب آئے گی تو بنائے کچھ نہ بن آئیگی  
 یہ عزیز جاں یونہی جلانے گی کہ قضا سا پیک رواں نہیں  
 مگر اک حیات حیات سے وہی جس میں سب کی نجات ہے  
 یہی بات سننے کی بات ہے اسی بات کا تو دھیاں نہیں

جو نبی کے عشق کا خار ہے وہ گلوں کا تاج و قار ہے  
 یہی ایک ایسی بہار ہے کبھی جس میں دورِ خزاں نہیں

موت سے قدرت کا وہ اٹل قانون ہے جسے جہاں کی کوئی طاقت بھی  
 بدل نہیں سکتی۔ یہ تو ممکن ہے کہ خدا کا کوئی انکار کرے مگر موت کا انکار  
 کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ موت کسی قاعدہ یا قانون کی پابند نہیں۔ یہ فطرت  
 کے ہر قانون کو ذیروز بر کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اس سے  
 ہر وقت اس سے سہمے رہتے ہیں۔ بالخصوص اللہ کے برگزیدہ انسان

جن کے چہروں پر ہر وقت زردی چھائی رہتی ہے۔ جن کے دلوں میں خدا کا خوف اور جن کا شعار تقویٰ ہوتا ہے۔ دنیا کا بڑے سے بڑا انسان نہ تو موت سے مقابلہ کر سکتا ہے نہ انکار۔ ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ دنیا کی زندگی انسانی سفر کی ایک منزل ہے، قیام گاہ نہیں۔ یہ ایک راستہ ہے جسے شاہ و گداسب طے کر رہے ہیں۔ اصل زندگی موت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ بقول احسان دانش :

موت کے پرے سے کم ہوتی نہیں تابندگی

اس طرف بھی زندگی ہے اس طرف بھی زندگی

علامہ اقبال تو موت کو تجدیدِ زندگی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن ارسطو

افلاطون اور قیثا عورت کے نزدیک حکمت کے اس شعر کے سوا کچھ اور نہیں ہے

زندگی کیا ہے؟ عناصر میں ظہورِ ترتیب

موت کیا ہے؟ انہی اجزاء کا پریشاں ہونا

مشرکین عرب اور یہودیوں کا شروع میں عقیدہ تھا کہ جسم کے سا

روح بھی فنا ہو جاتی ہے۔ مگر اسلام نے اس نظریہ کی سختی سے تردید

کی اور بتایا کہ جسم فنا ہوتا ہے، روح قائم رہتی ہے۔ قرآن پاک میں جگہ

جگہ اس کا ذکر موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

النَّوْمُ نَحْوُ الْمَوْتِ (نیند موت کا بھائی ہے)

ایک اور اسلامی مقولہ ہے :



## الموت فنظرة الحيات

(موت زندگی کا پل ہے)۔ اسلام میں موت انتقالِ روح میں مکان الہی مکان ہی کا نام ہے۔ موت اس کے سوا کچھ بھی نہیں صرف نفس بدن کا استعمال چھوڑنا، دینا ہے۔ روح میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ عارف تو موت کو قیدِ زندگی سے رہائی تصور کرتے ہیں۔ بقول غالبؔ

قید و حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہی

موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پاتے کیوں

یونان کے مشہور شاعر ہو کر نے موت کو نیند کا بڑا بھائی کہا ہے۔

انسانی نفس پر دو کیفیتیں طاری ہیں۔ ایک کا نام موت ہے اور ایک کا نام زندگی۔ ان دونوں کیفیتوں میں کسی ایک کیفیت میں بھی نفس میں تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے :

خلق الموت والحياة لیبلوکم ای کما حست عبلا

”اللہ نے موت اور حیات کو اس لئے پیدا کیلئے کہ وہ

تم کو آزمائے کہ تم میں کون عمل کے اعتبار سے اچھا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں رب العزت نے موت اور حیات دونوں کو

مخلوق بنا لیا ہے۔ موت عدوی چیز نہیں بلکہ زندگی کی طرح وجودی ہے۔

موت کے معنی فنا نہیں۔ جو کچھ ہے وہ زندگی ہی زندگی ہے جس طرح

ستارے دن کی روشنی میں نظر نہیں آتے مگر وہ آسمان پر موجود ہوتے ہیں

اسی طرح موت سے انسانی زندگی فنا نہیں ہوتی۔ نظروں سے اوجھل ضرور

ہو جاتی ہے، مٹی نہیں جنو یا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ قبرستان

میں داخل ہو تو السلام علیکم کہو بختگانِ خاک کو السلام علیکم کہو اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ مرنے والے فنا نہیں ہوتے۔ ہم ان کی زندگی کا ادراک نہیں رکھتے۔ موت تو ایک ڈرے کو بھی اپنے مرکز سے ہٹا نہیں سکتی۔ اس کی شکل و صورت کو تبدیل کر سکتی ہے۔ بقول حضرت ذوق سے

اب تو گھبرا کے بیگتے ہیں کہ مر جائیں گے

مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

جب آدمی موت ہی کو نہیں سمجھ سکتا تو بعد الموت کو کیا سمجھے گا

اسی طرح ایک اور شاعر نے کہا ہے

موت اک زندگی کا وقفہ ہے یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

وقفہ موت بھی غنیمت ہے کچھ تو فی الجملہ مل گیا آرام!

اسی طرح میر تقی میر نے فرمایا ہے

مر ہانے میر کے آہستہ بولو ابھی ٹھک روتے روتے سو گیا ہے

جب شاعر زندوں سے بعد الموت کے حالات معلوم کرنے سے

قاصر رہتا ہے تو پھر بختگانِ خاک کی طرف رجوع کرتا ہے۔

اس لئے غفلت کے سر مستوں کہاں رہتے ہو تم

کچھ کہو اس دیس کی آخر جہاں رہتے ہو تم

دل بھی حسیتر خانہ امروز و فردا ہے کوئی

اور پیکار عناصر کا تماشا ہے کوئی! ! !

آدمی واں بھی حصارِ غم میں ہے محصور کیا

اس ولایت میں بھی ہے انسان کا دل مجبور کیا

رشتہ و پیوند یاں کے جان کے آزار ہیں !  
 اس گلستان میں بھی کیا ایسے نکیلے خار ہیں  
 اس جہاں میں اک معیشت اور سو آفتاد ہے  
 روح کیا اس دیں ہیں اس فکر سے آزاد ہے  
 تم بتادو راز جو اس گنبدِ گرداں میں ہے  
 موت اک چھٹا ہوا کا نسا دل انساں میں ہے  
 لیکن جب شاعر کو جواب میں موت کی خاموشی کے سوا کچھ نہیں ملتا  
 تو دل پر خود ہی اپنے اشعار میں موت کی تشریح کرتا ہے ۔

آدمی ہے کس طلسم دوش و فردا میں اسیر  
 گلشنِ مہستی میں مانند نسیم ابدال ہے موت  
 کسی کسی دخترانِ مادرِ ایام میں  
 دشتِ دریں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت  
 ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آنکوش میں  
 زندگی کیا ہے اک طوقِ حمد افتاب ہے

اے دنیا یہ ماتم خانہ برنا و پیر  
 کتنی مشکل زندگی کس قدر آسان ہے موت  
 زلحے ہیں جلیاں ہیں فخط ہیں الام ہیں  
 کلبہ افلاس ہیں دولت کے کاشانے میں موت  
 موت ہے ہنگامہ آرا قلمِ خاموش میں  
 نے مجالِ شکوہ ہے نے طاقتِ گفتار ہے

المختصر موت نہ تو اتنی آسان چیز ہے کہ اسے کوئی اہمیت ہی نہ  
 دی جائے اور نہ اتنی بھیانک کہ انسان ہر وقت اس سے لرزہ برانداز  
 رہے۔ اس کا دار و مدار اعمال پر ہے۔ اعمالِ بد کا پیکر اس سے ہر  
 وقت خائف اور اعمالِ صالح کا مجسمہ اس کا ہر وقت منتظر۔ اس لئے  
 ترجمانِ حقیقت علامہ اقبال نے فرمایا ہے

چوں مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

نشانِ مریوں یا تو می گویم

۳۰  
اللہ  
بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

خاندان نور کے جدِ امجد

چوہدری خدابخش صاحب مرحوم  
کے

مختصر حالات زندگی



چوہدری میاں خدابخش صاحب مرحوم و مغفور

آپ اندرون کوٹ بدر دین خاں قصور میں پیدا ہوئے۔ قصور شہر میں  
لوہار کا کام کرتے تھے۔ زرعی آلات بناتے تھے۔ خاص کر گھوڑوں کی  
کاٹھیوں کا سامان بنانے میں بڑے ماہر تھے۔ اپنی لوہار فعل برادری کے  
چوہدری تھے۔ برادری کے کسی شخص کا کوئی کسی سے تنازعہ مثلاً رشتہ لینے یا



یہ میں تنازعہ، جائیداد کی تقسیم کا معاملہ، یا ہمیں لین دین کا تنازعہ وغیرہ وغیرہ  
 میں لوگ ان کو اپنا ٹالٹ پٹالے اور ان کی طرف رجوع کرتے۔ آپ ایسے بیک  
 اور سمجھ دار تھے کہ لوگوں کے باہمی اختلافات کو اس قدر حسن اسلوبی سے  
 پٹا لیتے کہ دونوں ہی فریق خوش ہو جاتے۔ لوگوں کی آپس میں شکر رنجیوں  
 کو اپنے حسن تدبیر سے اس قدر مٹا ڈالتے کہ دونوں فریق آپس میں شہر و  
 شکر ہو جاتے۔ ان کے نفاق اور کدورتوں کو اپنے ناخن تدبیر سے اس  
 طرح دھو ڈالتے کہ وہ پھر کبھی زندگی بھر دست و گریباں ہونے کی بجائے  
 باہم شہر و شکر ہو جاتے اور چوہدری صاحب موصوف کو دعائیں دیتے رہتے  
 آپ کی وفات کے بعد آپ کے چھوٹے بھائی میاں چوہدری محمد بخش  
 صاحب برادری کے چوہدری ہوتے اور میاں محمد بخش صاحب کے بعد  
 میل محمود صاحب بندوق ساز ڈنڈی گر، میاں عیسیٰ ڈنڈی گر، ان کے  
 میاں عیسیٰ ڈنڈی گر کے لڑکے اللہ بخش و میاں محمود صاحب کے لڑکے  
 حاجی محمد ڈنڈی گر برادری کے چوہدری ہوتے۔ ساتھ ہی ساتھ میاں  
 کالا ڈنڈی گر و میاں کریم بخش جو کہ میاں حاجی محمد کے خسر بھی تھے

## چوہدری خدابخش کی اولاد

آپ کے ہاں تین لڑکے اور دو لڑکیاں تولد ہوئیں جن کے نام یہ  
 ہیں :-

لڑکے : محمد بخش - احمد دین - امام دین -

دولڑکیاں جن کے نام یہ ہیں : بیگم بی بی - بختاورد بی بی -

میاں چوہدری خدائخش بہت ہی شہرت کے مالک، دین دار، نیک، نیک بخت انسان تھے۔ تقریباً ۶۵ سال کی عمر میں دارِ فنا سے دارِ الاخرت کی طرف سدھار گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

اب ان کی اولاد کے بارے میں فرداً فرداً سو انہی خاکہ پیش کرتا ہوں۔

### ۱۔ چوہدری میاں محمد بخش (بڑا لڑکا)

آپ اندرون کوٹ بدر دین خاں نزد مسجد حاجی راجھے خاں گلی نمایاں والی میں پیدا ہوئے۔ جوان ہوئے تو برادری نے متفقہ طور پر آپ کو اپنے باپ کی گدی پر بٹھا دیا یعنی برادری نے اپنا چوہدری تسلیم کر لیا۔ آپ بھی اپنے باپ کی طرح نہایت شریف النفس اور بہت ہی تیز طبع، ذکی، انتہائی ذہین تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر اسم بامسمیٰ نکلے۔ انھوں نے اپنی مساعی جمیلہ سے برادری میں بڑی شہرت پائی، اپنے سپوت کا لوہا منوایا۔ آپ بھی اپنے باپ کی طرح برادری کے تنازعات کی گتھیوں کو اپنے ناخن تدبیر سے اس طرح سلجھاتے کہ لوگ عیش عیش کراٹھتے اور دادِ ذہانت دیتے۔ اپنی ذہانت سے ایسا انصاف کرتے کہ کسی بڑے سے بڑے کو بھی حریف شکایت نہ ملتا۔ ان کے فیصلہ کے سامنے میر تسلیم خم کر دیتے۔

چوہدری خدائخش کے ہاں اولادِ نرینہ کوئی نہ تھی۔ ان کے دامن

راوی میں صرف ایک ہی گوہر تھا یعنی صرف ایک ہی لڑکی جس کا نام فاطمہ تھا۔  
 لڑکی یعنی فاطمہ فیض اللہ لوہار کے لڑکے محمد بخش کے عقد میں آئی۔ اس  
 بے بطن سے حاجی فضل دین ، حاجی مہر الدین ، مولا بخش پیدا ہوئے۔  
 آپ بہت ہی کامیاب زندگی گزار کر تقریباً ۶۵ سال کی عمر میں  
 اپنی ملک بقا ہو گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

خدا بخشنے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

میاں احمد دین (منجھلا لڑکا)

آپ قصور میں اندرون کوٹ بدر دین خاں نزد مسجد حاجی رانجھے  
 خاں گلی نمایاں والی میں اپنے آبائی مکان میں پیدا ہوئے۔ جوان ہوئے  
 تو آپ لوگ ملاں جی کے نقب سے پکارتے تھے بہت ہی نیک دل  
 اور ملنسار تھے۔ آپ موضع کھاراجو کہ قصور شہر کے شمال کی طرف تقریباً  
 ۳ میل کے فاصلے پر واقع ہے، ایک دکان پر لوہار کا کام کرتے تھے  
 اور نہ میناروں کے لئے زرگا اوزار بناتے اور پرانے مرمت کرتے  
 تھے۔ ایگری کلچرل اوزاروں کے علاوہ بازار کا کام مثلاً کاٹھیوں کے  
 بوہے کا سامان بنا کر میاں غلام فرید راہمپور بعد میں غلام فرید کھد شفیق  
 خان خانہ مور والے) کو دیتے رہتے تھے۔ کاٹھیوں کے بوہے کا  
 سامان بنانے میں بہت مشہور تھے۔ آپ اس فن میں بہت ہی مہارت  
 رکھتے تھے۔ بڑے جوان اور بارعب آدمی تھے۔ گھڑ سواری کا بہت

شوق رکھتے تھے۔

## آپ کی اولاد

آپ کے ہاں اولادِ نرینہ میں صرف ایک ہی لڑکا نور محمد جو اس کے  
کے مرکزی ہیرو یا فرد کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس کتاب کے روحِ رُ  
بھی ہیں، تولد ہوتے۔ اور چار لڑکیاں جن کے نام یہ ہیں :-

فتح بی بی، بڈھاں بی بی، جنت بی بی، راجن بی بی  
فتح بی بی : ان کا نکاح مستری عمر الدین کے ساتھ ہوا۔

اولاد ہونے کے باوجود سب کی سب اولادِ عمدِ طفولیت ہی میں  
پاگئی۔

بڈھاں بی بی : ان کے ہاں صرف ایک ہی لڑکی پیدا ہوئی  
کا نام حاجن کرم بی بی تھا۔ یہ کرم بی بی حاجی فضل الدین قنوتی کے

میں آئی۔  
جنت بی بی : ان کا نکاح مستری عمر الدین ولد چوہدری محمد  
کے ساتھ ہوا۔

نوٹے : یہ مولوی قمر الدین وہی ہیں جنہوں نے دیوانِ قمر  
یہ فارسی زبان میں تھا بہت ہی عالم فاضل تھے جنت بی بی  
ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محمد دین تھا۔ یہ عین طفولان  
میں ہی فوت ہو گیا۔



راجن بی بی : ان کا نکاح جناب اللہ دتہ کے ساتھ ہوا۔ ان کے ہاں

چار لڑکے پیدا ہوئے جن کے نام یہ ہیں :

حاجی محمد امین محمد شفیع طالب حسین خوشی محمد چغتائی

اور ایک لڑکی جس کا نام غلام فاطمہ ہے پیدا ہوئی۔

میاں احمد دین صاحب جو کہ راقم الحروف کے حقیقی دادا جان تھے،

بہت ہی شریف الطبع، دیندار، پرہیزگار تھے۔ تقریباً، سال کی عمر میں

وفات پا گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

۳۔ مستری میاں امام الدین صاحب مرحوم (تیسرا لڑکا)

آپ اندرون کوٹ بدرین خاں قصور نزد مسجد حاجی رانجھے خاں گلی

نایاں والی میں پیدا ہوئے۔ عہد طفولیت سے نکل کر عہد شباب میں قدم

رکھا۔ کچھ عرصہ لوہار کا کام کیا پھر جیننگ فیکٹری میں فٹر کا کام سیکھ کر

جیننگ فٹر ہو گئے۔ آپ اپنے ہم عصر فٹروں سے سبقت لے گئے۔

اس اثنا میں اسٹیم انجن بوائے کے کام کی لگن پیدا ہوئی تو انجینئرنگ کا امتحان

پاس کر لیا۔ قصور میں پہلے انجینئر تھے جنہوں نے یہ انجینئرنگ کا امتحان پاس

کیا۔ مختلف فیکٹریوں میں انجینئرنگ کے کام کی ڈیوٹی سرانجام دیتے رہے۔

آپ کو ہی اپنے لائق فائق بھتیجے نور محمد جو کہ اس کتاب کی مرکزی شخصیت

کے حامل ہیں، کی اسنادی کے شرف حاصل ہیں۔ آپ اپنے زمانہ کے بڑے

ذی فہم بہر مند اور فن انجینئرنگ میں یدِ طولا کا درجہ رکھتے تھے۔ قصور کے

مشہور انجینیروں نے آپ سے استفادہ اور زانوائے تلمذ طے کئے ہیں۔  
المختصر! آپ ایک قابل ترین انجینئر تھے اور پورے دین دار تھے۔

## اولاد

آپ کے ہاں دو لڑکے غلام قادر اور عبداللہ پیدا ہوئے۔ دونوں  
عین عقوفان شباب میں آپ کو داغ مفارقت دے گئے۔ تین لڑکیاں پیدا ہوئیں  
جن کے نام تھے جہند طوبی بی، امام بی بی اور فضل بی بی۔ جہند طوبی بی  
اور امام بی بی یکے بعد دیگرے حاجی فضل دین ولد مستری اللہ تہ برف  
والے کے عقد میں تھیں اور فضل بی بی کا احمد دین ولد مستری عبداللہ چکی  
والے کے ساتھ نکاح ہوا۔ اس طرح مستری امام الدین کامیاب ترین  
زندگی گزارنے کے بعد ہر شاہ، سال کی عمر میں راہی ملک عدم ہو گئے  
انا للہ وانا الیہ راجعون

## چوہدری خدایتش کی دولڑکیاں

۱۔ بیگم بی بی۔ ان کا نکاح مولوی قمر الدین  
دیوان قمر بزبان فارسی کے مصنف ہیں، سے ہوا۔ اردو، فارسی، عربی  
جید عالم دین تھے۔ مشہور ہے کہ ان کے زمانہ میں ٹرانسپورٹ کے کاغذ  
انتظام نہ تھا۔ اور یہ مولوی قمر دین اور میاں حاجی محمد چھوٹی مسجد کے

کے والد صاحب عمری میاں حسن محمد، دونوں صبح کی نماز پڑھ کر حجۃ المبارک کی نماز ادا کرنے لاہور کا شاہی مسجد میں پیدل جاتے اور نماز جمعہ ادا کر کے دوسرے دن علی الصبح قصور کے لئے پیدل چل کر گھر پہنچ جاتے۔ ایسے دین دار اور باہمت اشخاص کا قضا الرجال ہے۔ کہاں وہ باہمت اور اولوالعزم اشخاص اور کہاں یہ بازار سے سنبری وغیرہ لانے کے لئے سائیکل یا کسی سواری کا سہارا ڈھونڈنے والے۔ یہ ہے انقلاباتِ زمانہ!

ان کے ہاں ایک لڑکا عمر الدین اور دو لڑکیاں فاطمہ بی بی اور حیات بی بی پیدا ہوئیں۔ لڑکے عمر الدین کا نکاح جنت بی بی بنت میاں احمد دین سے ہوا یا در ہے کہ مستری عمر الدین نے کارخانہ میاں رحیم بخش والا، بعد میں کارخانہ ڈالیاں والا کی آرکیشن کی تھی۔ مستری عمر الدین کافی پڑھے لکھے تھے اور ان کو انگریزی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ ان کی ایک کتاب انگریزی زبان کی جو کہ ٹھوپی جنت بی بی نے راقم الحروف کو دی تھی، یاوگار کے طور پر محفوظ ہے۔

فاطمہ بی بی: ان کا نکاح مستری علی محمد ولد مستری عبداللہ چکی والے سے ہوا۔ یاد رہے کہ فاطمہ بی بی کی دو پوتیاں یعنی ان کے بڑے صاحبزادے محمد رمضان کی دو لڑکیاں راقم الحروف کے دونوں بھائیوں حاجی محمد شفیع کے عقد میں کرم بیگم اور محمد صدیق کے عقد میں فضل بی بی آئی ہوئی ہیں۔

حیات بی بی: ان کا نکاح مستری حاجی محمد دھور کوٹ والے سے ہوا۔

دوسری لڑکی بچا اور بی بی \_\_\_\_\_ ان کا نکاح

مستری خدا بخش اٹھیل پور والے سے ہوا۔ ان کے بطن سے ایک لڑکا  
نظام دین اور ایک لڑکی مراد بی بی تھی۔ مراد بی بی کا نکاح کرم بخش ولد اللہ  
بخش آف کیسر گڑھ کے ساتھ ہوا۔



یہاں تک تو اپنے جدِ امجد چوہدری خدا بخش، چوہدری محمد بخش و میاں  
امام الدین انجیر و میاں احمد دین صاحبان کا مختصر سوانحی خاکہ پیش کیا گیا۔  
ان اصحاب کی زندگیوں کے متعلق اپنے قریبی عزیز حاجی فضل الدین صاحب  
کنوٹی کی زبانی معلومات پر مبنی حالات قلمبند کئے۔ اب میں اپنے والد  
گرامی قدر جو اس کتاب کے مرکزی کردار ہیں، کی سوانح حیات تحریر کرنے  
کی ناکام کوشش و سعی کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ  
میں نے ان کی پوری زندگی کے حالات قلم بند کئے ہیں۔ والد بزرگوار گرامی قدر کی  
زندگی تو ایسی صاف و شفاف اور ارفع و عالی تھی جو کہ ظاہری رنگینوں سے  
مبرا تھی یہ بغیر کسی قسم کی لگی لپٹی کے اظہارِ حقیقت کے طور پر اپنی کم علمی کا  
اعترافِ عجز کر لینا ضروری سمجھتا ہوں۔ میں یہ مخلصانہ عرض کرتا ہوں کہ  
میری علمی کمزوری اور گناہوں سے پر آلود زندگی سے چشم پوشی فرما کر اپنے  
خاندان کے حالات زندگی پڑھیں اور یہ دیکھیں کہ ہمارے اسلاف کتنے سادہ  
نیک، پارسا، خلیق، منسا، کشادہ ظرف اور تکلفات سے پاک تھے۔  
دعا ہے کہ خداوندِ کریم ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق فرمائے۔ آمین





والدگرامی اکھاچ میاں نور محمد صاحب مسوحوہ دمغفور

بابا نور محمد صاحب معر حرم رحمۃ اللہ علیہ بوقتِ واپسی حرمین الشریفین لاہور پورے سٹیشن پر

قبیلہ و کعبہ اکحاج میاں اور محمد رضا مرحوم و مخفور

— اکے —

تاریخ و محل ولادت

نزاروں سال تکس اپنی بے نوری پر روتی ہے  
بڑی مشکل سے ہوتا ہے جن میں دیدہ ور پیدا



قبیلہ والد صاحب یعنی باباجی کے والد بزرگوار میاں احمد دین مرحوم بہت  
ہی تیک دل اور ملنسار بزرگ تھے۔ اردگرد کے دوست احباب اور  
اپنی برادری میں ملاں جی کے لقب سے پکارے اور جانے پہچانے  
جاتے تھے، یعنی سب لوگ ان کو ملاں جی کہہ کر بلاتے تھے۔ آپ قصو  
اندرون کوٹ بدر دین خاں نزد مسجد حاجی رانجھے خاں محلہ نایاں والا میں  
اپنے آبائی مکان میں رہائش پذیر تھے۔ اس بزرگ کے ہاں یکے بعد دیگرے  
تین لڑکیاں تولد ہوئیں۔ ان تین لڑکیوں کے بعد اولاد نرینہ باباجی موصوف  
یعنی الحاج نور محمد صاحب اپنے والدین کے ہاں نہاں امتیاز میں پہلے

پھول کھلے یعنی پیدا ہوتے۔ چونکہ آپ کے مورث اعلیٰ چوہدری فدا بخش جو کہ آپ کے حقیقی دادا تھے، اسے لے کر کسی تایا چچا کے ہاں اولادِ نرینہ کا فقدان تھا اس لیے جب بابا جی موصوف کا ورودِ مسعودِ ظہور پذیر ہوا اپنی تولد ہوئے تو خاندان میں اتنی خوشی اور مسرت ہوئی جو بیان سے باہر ہے۔ سارے خاندان میں یہی اولادِ نرینہ تھے۔ ان کی پیدائش پر خاندان بھر میں مشترکہ خوشی منائی گئی۔ خاندان کے ہر فرد نے اپنی اپنی خوشی و مسرت کا اظہار کیا جس کا تذکرہ فرط اس پر لانا مشکل ہے۔ کسے معلوم تھا کہ یہ نوموود اپنے خاندان کی کا پاپٹ کے دے گا۔ اس سے زیادہ سعادت مند اولاد کس خوش نصیب والدین کے حصے میں آئی ہوگی۔ والدین نے آپ کا نام نور محمد رکھا۔ خاندان کے سب لوگ ان کو نور ماہی پیار و محبت سے کہہ کر پکارتے تھے۔ صغیر سنی سے نکلتے ہی نور محمد کے نام نامی اسم گرامی سے مشہور ہوتے۔ نام اور القاب ٹکڑے یا اعتمادی سے رکھ دیتے جاتے ہیں خصوصیات کا اس میں مطلق عمل دخل نہیں ہوتا اور ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ غیب کی باتیں کون جانے۔ والدین نے شاید کس ساعت سعید میں نام تجویز کیا کہ وہ فی الحقیقت اسم یا سنی نکلے۔ نور محمد یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور۔ ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں تاحیات سرشار رہنا، زندگی بھر اسلام پسندی کا عملی مظاہرہ، صوم و صلوٰۃ کی تازلیت پابندی کرنا، جس کے اپنے گرد و نواح تو کیا، بیرون جات کے لوگ شاہد ہیں۔ ان کی نشست و برخاست صرف اسلام دوست احباب کے ساتھ ہی رہتی۔ یعنی ان کا حلقہ اسلام پسند



کے ساتھ تھا۔

حضرت فقیہ العصر مولانا عبدالرحمن صاحب خطیب جامعہ رحمانیہ مسجد  
کوٹ فتحین خاں سے اتنی والہانہ عقیدت تھی کہ دن میں ایک دفعہ ان  
کی خدمت عالیہ میں ضرور حاضری دیتے۔ آپ اس حاضری کو اپنی کمال  
سعادت مندی سمجھتے حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی  
بابا جی کے ساتھ والہانہ محبت اور شفقت سے پیش آتے اور اپنی دعاؤں  
سے نوازتے ط

شن سخاواں ہیں پر اے جن کے اپنے جس پہ نازاں ہیں

بچپن

آپ کی ولادت کے باب میں تحریر کیا جا چکا ہے کہ آپ سارے  
خاندان میں اکیلے اولادِ نرینہ تھے جس کی وجہ سے والدین اور عزیز و اقارب  
کی محبت و شفقت آپ کے حصہ میں اتنی وافر آئی جس کا اندازہ وہی لوگ  
کر سکتے ہیں جن کے ماں اولادِ نرینہ کا فقدان ہو، مثل ہے کہ پوت کے پاؤں  
پالنے ہی میں نظر آتے ہیں۔ یہ مثل اس نونہال یعنی حضرت بابا جی کے بچپن  
پر صادق آتی ہے۔ بابا جی بچپن ہی سے خاموش، سنجیدہ اور متین تھے۔  
قدرت نے آپ کو فطرتاً صفائی پند اور شریف النفس طبع و دلچیت کی  
تھی۔ عام بچوں کی طرح بات بات پر بچپن کی عادت نہ تھی۔ ماں باپ، خویش  
اقارب اکثر پیار سے ان کو مانتی کہہ کر پکارتے اور بلاتے تھے۔ ان کے

بچپن میں کوئی قید تو نہیں تھی کہ کھیلنے کو دینے کی بالکل ممانعت یا پابندی ہو۔ مگر خاندانی اور گھر بیو حالات کچھ اس قسم کے تھے کہ سبھی افراد کنبہ ان کو اتنے پیار و محبت اور شفقت سے نوازے رکھتے کہ کھیل کود کے مواقع بہت کم میسر آتے۔ اس عظیم الفرستی کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ گھر سے باہر جانے اور عام بڑی صحبتوں میں پڑنے یا آوارہ پھرنے کا بالکل اتفاق نہ ہوتا۔ گھر کا ماحول اسلامی تھا۔ والدین انتہائی اسلامی ذہن رکھتے تھے۔ غیر اسلامی ذہن رکھنے والے کنبے اپنے بچوں کو جو پریوں، چٹوں اور بھوتوں وغیرہ کے قصے کہانیاں سنا سنا کر بچوں کے دلوں پر ٹرسے اثرات مرتب کرتے رہتے ہیں، ان کا کنبہ ایسی بیہودہ باتوں سے پاک تھا۔ ان کے گھر میں اسلامی ماحول کی باتیں یعنی تھرا کے ٹیک بیڈل کے حالات زندگی، نیکی، پارسائی اور ادنیٰ قسم کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ واقف ناواقف بھولیوں سے دست گریبان ہونا آپ کا شیوہ نہ تھا۔ تقریباً ۵، ۶ سال کی عمر ہوتی ہوگی کہ آپ کے والدین کوٹ بدر دین خاں والے مکان سے کوٹ فتح دین خاں محلہ کیوآن میں منتقل ہو گئے۔ گھر کے نزدیک ایک چھوٹی سی مسجد تھی جن کے امام میاں حاجی محمد صاحب مرحوم تھے، والدین نے اپنے اس ہونہار بچے کو قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے میاں حاجی محمد صاحب کی تحویل میں دے دیا۔ میاں حاجی محمد صاحب نے بچے کی ذہانت، متانت اور سنجیدگی کو جب دیکھا تو ان کی پڑھائی پر خاص توجہ فرمائی۔ بابا حاجی موصوف اپنی محنت کے بل بوتے پر اور قداد اد ذہانت کے طور پر عام طالب علموں کی سطح سے ہمیشہ بلند رہے۔

استاد اس خاموش طبع، فکی اور انتہائی ذہین شاگرد کی کارر فآر سے ہمیشہ مطمئن رہتے آپ نے عام طالب علموں سے بہت ہی کم عرصہ میں قرآن مجید ناظرہ ختم کر لیا۔

## عہد شباب

حضرت بابا جی کے والد بزرگوار میاں احمد دین صاحب مرحوم کا ذریعہ معاش موضع کھارا میں تھا۔ کھارا قصور شہر سے تقریباً ۴۰ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔ وہاں پر ایک دکان میں لوہار کا کام کرتے تھے۔ موضع کھارا کے تمام زمیندار اپنے زرعی آلات ان سے بنواتے اور پرکے مرمت کرواتے تھے۔ ایک طرح سے سال بھر کے لئے کنڈیکٹ یعنی (سیپی) مقرر تھی اور اس معاوضہ سال کے بعد گندم اور کپاس کی مقررہ شرح حد تک ادا کر دیتے۔ کچھ اور دن بھر ہی نقد کی صورت میں کام آجاتا جس سے گھر گزار بسر ہو جاتی چونکہ آپ کے والد صاحب اکیلے ہونے کی وجہ سے کاروبار میں وسعت نہیں دے سکتے تھے لہذا کاروبار میں وسعت کے پیش نظر باپ کو معتمد ساتھی کی ضرورت تھی۔ بابا جی موصوف ابھی طالب علمی کے زمانہ کو ترک کرنا نہیں چاہتے تھے مگر والد صاحب مقرر ہوئے کہ اب وہ عملی زندگی میں قدم رکھیں اور کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔ ادھر ہو سکتا ہے کہ تعلیم کو چھوڑنے کا بیٹے کو گراں گزرا ہو مگر فرمانبردار بیٹے نے لب تک نہ ہلاتے اور نہایت سہر خندہ پیشانی سے والد گرامی کے سامنے تسلیم خم کر دیا اور ان کی صدا پر عملی

لیکھنے کے لئے تیار ہو گئے۔ آپ کے والد صاحب نے موضع کھارا آنے  
 جانے کے لئے ایک گھوڑی رکھی ہوئی تھی چنانچہ اب باپ بیٹا دونوں اس پر  
 سوار ہو کر اپنے کام پر جانے لگے لہذا باباجی موصوف مال باپ کے لیے عین  
 راحت ثابت ہوئے اور موجب سعادت ہوئے سعادت مند بیٹے نے لگ  
 لپٹ کر وہ کارکردگی کا مظاہرہ کیا کہ بہت جلد ہی کاروبار میں دن بد و وسعت  
 کے ساتھ گھر میں عسرت سے خوشحالی آنے لگی۔ باباجی موصوف اپنے باپ  
 باپ کے معتمد بلکہ دست راست ہونے کے ساتھ ہمساختہ کاروبار میں ایسا تین  
 انتظام اور کارکردگی دکھائی کہ کاروبار میں دن دگنی رات چوگنی ترقی ہونے  
 لگی۔

ع۔ اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں سے  
 باباجی ان خوش بخت لوگوں میں سے تھے کہ مشکلیں جن کی راہ میں عبادت  
 و خاکستریں کراڑ جایا کرتی ہیں۔ رحمت خداوندی جب جوش میں آتی ہے تو  
 ابرکرم کہاں نہیں برستا مگر تمام زمین لالہ و زار نہیں بن جاتی۔ ہر شخص بابا کو بھرا  
 نہیں ہو سکتا۔ آہستہ آہستہ باباجی موصوف زندگی کے مراحل طے کر رہے  
 تھے۔ اب وہ لڑکپن کے حسین سبزہ زاروں سے نکل کر شباب کی رنگین وادیوں  
 کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس نہج پر آکر نوجوان اپنے مال باپ کے لئے  
 اکثر وجہ تردد یا پریشانی کا باعث بن جاتے ہیں مگر باباجی موصوف میں  
 وہی متانت، وہی سنجیدگی اور وہی پاکیزگی تھی جیسی جھکیاں ان کے  
 بچپن میں پائی جاتی تھیں۔

آپ نے جب عمر کی سولہویں بہار میں قدم رکھا تو والدین اور خویش و

اقارب نے باہم مشاورت سے اپنے ہی کمنہ کی لڑکی کا انتخاب کر لیا

## پہلی شادی

آپ کی نسبت میاں کالو کی دختر نیک اختر مسماۃ اللہ جو انی سے کر دی گئی۔ میاں کالو کے تین لڑکے میاں حاجی محمد، میاں شادی محمد، میاں چراغ دین تھے۔ نسبت کے تقریباً چھ ماہ بعد آپ کی پہلی شادی اللہ جو انی سے کر دی گئی۔ خاندان میں بچہ خوشی منائی گئی۔ کہنے میں آپ شرافت، دیانتداری، اچھی عادات و کردار، اچھی سیرت جو آپ کو خاندان سے ورثہ میں ملے تھے، خوب خوب نمایاں تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خاندان کا ہر فرد آپ کی عزت و تکریم کرتا تھا۔

یہ منہی خوشی کے دن، ماہ اور سال گزرتے گئے۔ شادی سے تقریباً دو سال بعد اس گلشن مسرت پر ایسا تند و تیز ہوا کا جھونکا آیا کہ آپ کے شفیق باپ بسترِ علالت پر گر گئے۔ چند دن صاحبِ فرانس رہے۔ آخر وہ دن بھی آپہنچا جسے انسان قریب ہونے کی بجائے بہت دور سمجھتا ہے۔ موت کی وہ گھڑی جس سے شاہ و گدا مفر نہیں کہ وہ ساعتِ بد آپہنچی جب ظالم نے اپنا کام پورا کر دیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ موت \_\_\_\_\_ سالارِ کارواں کی موت \_\_\_\_\_ وہی گھر جو صبح نہراں سرتوں کا گہوارہ تھا، شام کو صیادِ اجل کے تیر سے ماتم کدرہ بن گیا۔ بابا حاجی موصوف جو اس وقت عین شباب کی منزلیں طے کر رہے تھے



اُن پر کیا کچھ گزر گئی۔ بس کچھ نہ پوچھتے تھے۔  
گئی ایک بیک جو ہوا پلٹ نہیں دل کو میرے دراز سے  
کہوں غم ستم کا میں کیا بیاں میرا غم سے سینہ فگار ہے  
فانی ہر ایک چیز یہاں لا کلام ہے

کہتے ہیں جس کو باقی وہ اللہ کا نام ہے  
موت ہے ہنگامہ آرا قسدم خاموش میں  
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آنکوش میں  
ہر شے مسافر ہر چیز راہی  
کیا چاند تاسے کیا مرغ و ماہی

### حل من علیہ عافات

تجہیز و تکفین کا تمام بوجھ آپ کے نوجوان اور نابجربہ کار کندھوں پر تھا۔  
گھر میں قیامت صغریٰ برپا تھی۔ ایک کھرام سا چمچ رہا تھا۔ بالآخر تجہیز و تکفین و  
تدفین کے بعد شفیق باپ کی وفات نے جہاں بابا جی موصوف کا دل بیٹھا  
دیا وہاں فریض کا پہاڑ بھی ان کے سر پر لا کھڑا کیا۔ ایسا شفیق اور مہربان  
باپ داغ مفارقت دے گیا۔ کافی عرصہ تک آپ پر غم و اندوہ کے بادل  
چھائے رہے۔ آپ بہت ہی ٹکین رہنے لگے۔ ایسے محسن اور مرقی باپ کا سائے  
سر سے اٹھ گیا، اکیلے پن پر بہت ہی پریشان رہتے۔ ان کی مثال ایسی تھی  
جیسے ایک مسافر ٹکٹ کی بانڈھے چاروں طرف دیکھ رہا ہو، کشتی پر سوار ہو  
اور ہاتھ سے چٹو بھی گرا جائے اور اس کی کشتی پانی کی تیز تندلہروں

کی لپیٹ میں آجائے اور زمین کا کنارہ ابھی دُور ہو۔ کافی عرصہ تک طبیعت بدھا رہی۔ باباجی موصوف کا عین عفتوان شباب تھا۔ خون اُن کی رگوں میں جوانی کے گہیت گار رہا تھا مگر اس کم سنی میں بھی سن رسیدہ لوگوں کی سی متانت اور سنجیدگی پائی جاتی تھی۔ آدمی نقصانِ مال و نقصانِ جان سے آزما یا جاتا ہے اور جو لوگ اس آزمائش پر پورا اترتے ہیں، دین و دنیا کی سعادتیں انہی کی راہ تکتی ہیں اور دنیا کی کوئی صبر آزما صعوبت ان کی جولانی قدم کو روک نہیں سکتی۔ ایسے وقت میں آپ کی والدہ ماجدہ جو ایک اَبوالعزم، دانشمند اور زیرک خاتون تھیں اپنے بیٹے کی ایسی ڈھارس بندھائی اور اپنے بیٹے کی ممد و معاون ثابت ہوئیں کہ بیٹا پورے انہماک اور جوش و خروش سے کام میں مصروف ہو گیا۔ باباجی موصوف کے چہرے پر جہاں عزم و اندوہ کے آثار رکھتے وہاں عزم و استقلال کے نقوش بھی نمایاں رکھتے جن حالات میں باباجی موصوف نے زندگی کی شبِ عزم گزاری اگر کوئی اور ہوتا تو زندگی کی راہ پر ہار کر بیٹھ جاتا۔ لیکن تلخیِ ایام میں موصوف نے جلد سنبھالا لیا اور وہ اپنے کام میں اس قدر مجھو ہو گئے کہ اس ہونہار سپوت نے باپ کے نام کو زندہ جاوید کر دیا۔ بقول شخصے ے

توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے

جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں ساغر اسی کا سے

ہے قوتِ بازو میں تیری رازِ سعادت تو ڈھونڈنا پھر تا ہے اسے بال کا میں

باباجی موصوف کے والد صاحب کی وفات کے بعد ایک سال موصوف

کے گھر اللہ تعالیٰ نے ایک فرزند عطا فرمایا۔ چونکہ کنبہ بھر میں اولادِ نرینہ کا قحط الرجال تھا۔ خاندان میں آپ موصوف کے بعد یہ دوسرا لڑکا تولد ہوا۔ کنبہ بھر میں خوشی منائی گئی اور اس لڑکے کا نام اسلام دین رکھا گیا۔ سچ ہے

مالِ ماپ کی آسائش و راحت ہے پیر سے

تلخی میں بھی چینی کی حلاوت ہے پیر سے

خونِ جسم میں، آنکھوں میں بصالت ہے پیر سے

ایامِ ضعیفی میں بھی طاقت ہے پیر سے

اس نو مولود اسلام دین کی پیدائش کے وقت اس کی والدہ بیمار ہو گئی۔

بیماری اتنی ٹھیک ہو گئی کہ بچہ کو دودھ بھی نہ پلا سکی۔ دادی نے اپنے دودھ پر

اس بچہ کی پرورش کی۔ ابھی یہ بچہ تقریباً تین ماہ کا ہی ہوا تھا کہ شفقتِ مادر

سے محروم ہو گیا۔ یعنی والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا یعنی باباجی موصوف کی شریک

حیات کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی رفیقہ حیات نے داعیِ اجل کو لبیک کہا اور

عمر بھر کی رفاقت کو توڑ کر چلتی بنی۔ باباجی موصوف کو یہ جانکاہ صدمہ ان

زندگی میں تیر قضا کی سی ایک چھین چھنی جو بے وقت ناگہانی صورت میں آتی

جس سے طبیعت بالکل نڈھال اور مضطرب ہو گئی ہے

ہر چیز کو بے وقت مقرر نے گھیرا ○ پر نہیں اے موت وقت مقرر تیرا

جب وقتِ اجل آتا ہے نہ یہ ایک ساعت مجھے ہوتا ہے نہ آگے

قضا و قدر نے جو موت کا فتویٰ دے دیا ہے وہ کسی طرح نہیں ٹل سکتا ہے

فکر منزل ہو گئی ان کا گزرتا دیکھ کر ○ زندہ دل میں ہو گیا اور گل مرزا دیکھ کر

بابا جی کی مشتبہ خاک کے اجزائے زندگی پریشان نے اسی چپ سادہ  
 لی کہ زبانِ قال پر مہرِ سکوت لگ گئی۔ دل کو اس قدر دھچکا لگا جو بیان سے  
 باہر ہے۔ اس ناگہانی اور المناک صدمہ سے بہت ہی نڈھال ہو گئے۔ مدت  
 تک اس صدمہ کا اثر دل پر رہا۔ کام کاج سے طبیعت اچاٹ ہو گئی۔ اس  
 وقت آپ کے حقیقی چچا میاں امام الدین صاحب مرحوم و معذور کی صحبت و  
 شفقت کام آئی جو اپنے وقت کے بڑے مشہور و معروف انجینئر تھے اور  
 آپ کے نہایت ہی مونس و ٹمگسار تھے۔ یوں تو آپ کے کنبہ کے بھی افراد  
 نے آپ کی ٹمگساری میں کوئی دقیقہ فر و گذاشت نہ کیا مگر آپ کے چچا جان نے  
 آپ کی وہ ڈھاکس بندھانی اور رہنمائی فرمائی کہ بابا جی موصوف زندگی بھر  
 ان کے احسان کا تذکرہ کرتے رہے۔

بابا جی موصوف چچا جی کے مستورہ سے موضع کھارا کے کاروبار سے  
 دستبردار ہو گئے اور چچا جی کے ساتھ کارخانہ میں کام پر لگ گئے۔ چچا جی  
 نے آپ کو اپنی شاگردی سے نوازا اور اس قدر محنت اور تندی سے کام  
 سمجھایا اور سکھلایا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں بڑے بڑے نامی گرامی فٹروں میں  
 ان کا شمار ہونے لگا۔ ہر جینگ فیکٹری کا مالک اپنی فیکٹری میں آپ کو ملازم  
 رکھنے کی تمنا اور خواہش رکھتا اور بابا جی موصوف کو دوسرے فٹروں سے  
 کچھ اضافی تنخواہ دیتا۔ اس بات کا بین ثبوت یہ ہے کہ میاں محمد شفیع صاحب  
 مالک کارخانہ مور والا قصور کے ہاں تقریباً ۱۵ سال متواتر ملازمت کرتے  
 رہے اور دوسرے فٹروں سے اضافی تنخواہ بھی پاتے رہے۔ نیز اسی کارخانہ

میں آپ نے انجینئر کا امتحان پاس کیا۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بیسیوں تک ہے جو اپنے اپنے وقت میں بڑے بڑے کارگیروں میں شمار ہوئے۔ پھر آپ مختلف فیکٹریوں میں انجینئرنگ کے عہدہ جلیلہ پر فائز رہے جب کہ آپ پیرا نہ سالی میں تقریباً پندرہ سال تک پتوکی جیننگ فیکٹری میں رہے۔

کچھ بڑھاپے اور کچھ بیٹیوں کے بڑے زور اصرار پر آپ نے کئی دفعہ ملازمت ترک کرنے کا ارادہ کیا اور کئی دفعہ مالکان کو جواب دے دیا کہ آئندہ سبزن آتے پر ملازمت ترک کر دوں گا مگر ہر دفعہ کارخانہ کے مالکان کی منت سماجت اڑے آئی۔ وہ آپ کو مجبور کرتے اور کہتے کہ باباجی! آپ کے دم قدم سے ہمارے یہاں برکت ہے اور آپ ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں بہت زیادہ منافع دیتا ہے۔ ہم آپ کو ضرور لے جائیں گے۔ آخر بھٹو دور میں جب فیکٹریاں قومی ملکیت میں لے لی گئیں تو آپ نے کام چھوڑ دیا اور بقیہ عمر گھر پر ہی گزاری۔

## دوسری شادی

موضع اکرن پورہ ضلع لاہور جو پٹی کے پاس واقع ہے وہاں پر باباجی موضع کے رشتہ دار میاں کریم بخش صاحب جو اپنے گاؤں کے حوالدار بھی تھے رہتے تھے۔ اس پاس کے دیہات میں میاں کریم بخش کی شرافت، دیانتداری اور ایمان داری کا چرچا تھا۔ گاؤں والے ان کو ملاں جی کہہ کر بجاتے تھے۔ اپنی قوم کے علاوہ گاؤں کے ہندو سکھ بھی ان کی بڑی عزت و تکریم کرتے تھے۔ آپ کی دیانتداری اور شرافت کو دیکھ کر لوگ اپنے گھر کو تیار عمارت



آپ کی طرف رجوع کرتے۔ اُن کو ثالث مقرر کرتے۔ آپ ایسا غیر جانبدارانہ فیصلہ کرنے کے بھی لوگ خوش ہو جاتے۔

میاں کریم بخش کے دامن مراد میں چار گویہ تھے۔ ان میں سے بڑی لڑکی اللہ رکھی کا نکاح باباجی موصوف سے ہوا۔ یہ آپ کی دوسری رفیقہ حیات تھی۔ مائی اللہ رکھی اپنے باپ میاں کریم بخش کا بالکل پر نون تھیں۔ نہایت پاکباز، شریف الطبع، راست باز، نیک دل خاتون تھیں۔ باباجی کے گھر میں ان کا قدم ہر لحاظ سے مبارک ثابت ہوا۔ آپ کی یہ شادی سسرال کے لئے بھی نیک فال ثابت ہوئی۔ آپ سسرال والوں میں ایک قسم کی لکشمی دیوی بن کر آئیں۔ یہ نیکدل خاتون اپنے خاوند کی بڑی خدمت گار اور گھریلو مشاوری تھیں۔ ہر طرح سے مدد و معاون تھیں۔ اپنی خوش خلقی، تحمل مزاجی، راست گفتاری سے سسرال والوں میں ایسی پرچ بس گئیں کہ خاندان کے سبھی افراد ان سے عزت و توقیر سے پیش آتے۔ آپ ایک مثالی رفیقہ حیات تھیں۔ اپنے شوہر کی راحت اور تکلیف میں برابر کی شریک رہیں۔

آپ کے بطن مبارک سے تیرہ لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ چار لڑکے بچپن میں فوت ہو گئے۔ باقی سب اولاد آپ کی حیات تک زندہ رہی۔ باباجی موصوف کو اللہ تعالیٰ نے اتنی اولاد برینہ عطا فرمائی جو کتبہ بھر میں کسی کے نسب نہ آتی۔

نوٹ: مائی اللہ رکھی جو کہ راقم الحروف کی والدہ ماجدہ تھیں، ان کی زندگی کے حالات آئندہ صفحات میں مدلل تحریر ہیں۔ "میری ماں" کے عنوان

سے اُن کی سوانح عمری الگ مدلل مفصل آئندہ صفحات کی زینت ہے۔

## بابا جی بھو کی والد ماجد کی رحلت

بابا جی موصوف کے والد گرامی میاں احمد دین صاحب مرحوم و منفقور چونکہ آپ کے عین عنقوان شباب ہی میں آپ کو داغِ مفارقت دے گئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد آپ کی والدہ نے آپ کی تربیت کی یعنی آپ پر سایہِ عاطفت اور آغوشِ شفقت میں لے کر آپ کی ایسی تربیت کی جس کا رنگ و اثر عمر بھر رہا۔ آپ کی والدہ ایسی نیک دل، عابدہ، زاہدہ اور نیک سیرت خاتون تھیں کہ جن کی آنکھوں سے جیا چمکتی تھی۔ اسلام کی شیدائی، پاک بازی کا محکمہ، نماز اور اعمالِ صالحہ بے مثل میں ساری عمر گزار دی۔ ان کی تربیت سے بیٹا بھی ایسا کُندن بن کر نکلا کہ ساری عمر دین کا شیدائی بنا رہا۔ ماں کی فرمانبرداری میں کسی کوئی فریاد نہ کی۔ والدہ کے ہر حکم پر لبیک کہا اور والدہ کی دعا میں لیتا رہا۔

بالآخر آپ کی والدہ کو اللہ تعالیٰ کا بلاوا آ گیا یعنی پیغامِ اجل آ گیا اور وہ اس سفر پر روانہ ہو گئیں جہاں سے لوٹ کر پھر کوئی نہیں آیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ



وقت آ گیا قضا آ کے لے گئی  
خلاقِ دو جہاں، یہی تجھ سے ہے التجا

آخر مفارقت کا داغ ہمیں دے گئی  
اس نیک دل خاتون کو فرودیں کر عطا

## حلقہ احباب

چونکہ بابا جی موصوف کا دلی میدان اسلام پسند اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے شہداء کیوں کا ساتھ لہذا ان کا حلقہ احباب بھی ایسے اشخاص اور بزرگوں کا ہی تھا جو اسلام پسندی اور دینداری میں یدِ طولی رکھتے تھے مثلاً حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب مفتی اعظم و خطیب اعظم جامعہ مسجد کوٹ فتحزین قنور (مرحوم رحمۃ اللہ علیہ) حضرت مولینا قبلہ سید مبارک علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کوٹ مراد خاں حکیم فضل دین صاحب کھمبکرنی بستری حاجی فضل دین صاحب، مستری حاجی علی محمد صاحب کوٹ عثمان خاں قنور، حاجی کریم بخش صاحب بھٹہ نختت والے وغیرہم۔

میں نے کتاب کی طوالت کے خوف سے صرف ایک مقدس ہستی کا ذکر خیر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ نیز اپنی کمال سعادت مندی سمجھوں گا جن سے بابا جی کی دوستی محبت کی حد سے گزر کر بے پناہ ارادت و عقیدت تک جا پہنچتی ہے۔ وہ ہستی ایک فقیر منش انسان کی ہے۔ اک گدائے گوشہ نشین حضرت مولینا عبدالرحمن صاحب خطیب اعظم جامع مسجد کوٹ فتح دین خاں کی ہے۔ بابا جی موصوف جب کارخانہ مور والہ میں ملازمت کرتے تھے تو ان دنوں آپ (عبدالرحمن صاحب) جامع مسجد بیرون کوٹ رکن دین خاں جو کہ کوٹ رکن دین خاں کے مشرقی گیٹ کے سامنے واقع ہے، میں جمعہ المبارک کے دن خطاب فرمایا کرتے تھے۔ بابا جی موصوف بھی اسی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے جاتے تھے۔ یہیں سے حضرت مولینا عبدالرحمن صاحب کا والد صاحب سے والہانہ محبت اور والد صاحب

کا ان سے عقیدت مندی کا آغاز ہوا۔ یا باجی موصوف کی سعی بہیم سے ہی  
 کوٹ فخرین خاں کے معززین نے حضرت مولانا موصوف کی خدمت اقدس  
 میں التماس کی کہ آپ کوٹ فخرین کی جامع مسجد میں تشریف لے چلیں۔ چنانچہ  
 حضرت مولانا نے معززین کی درخواست <sup>منظور</sup> فرمائی اور جامع مسجد کوٹ فخرین  
 خاں میں تشریف لے آئے۔ اس مسجد میں تقریباً ۵ سال تک آپ نے  
 خطابت و عنایت فرمائی حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب مرحوم ان یادگار  
 زمانہ لوگوں میں سے تھے جو روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ جس دور کی وہ  
 پیداوار تھے وہ دور اب قریب قریب ختم ہو رہا ہے۔ حضرت مولانا صاحب  
 سر اپا بے نیاز فقیر تھے۔ موٹے کھڑکی قمیض، بھٹوں سے اونچا نہ بند، سر  
 پر سفید ململ کی بگٹی، پاؤں میں دسی ساخت کی جوتی۔ یہ تھا مستقل لباس  
 بڑی سے بڑی محفلوں اور جلسوں میں اسی لباس سے جا نکلتے۔ سکول ٹائم  
 میں تہ بند کی جگہ شلوار پہن لیتے تھے۔ اپنی جلوہ فرمائی کے لئے عمر بھر  
 کسی جڈاگانہ لباس کا اہتمام نہیں کیا۔ استثناء کا یہ عالم تھا کہ کسی بڑے  
 سے بڑے آقبیر اور امیر کبیر کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ جس طرح ایک مستند  
 عالم دین تھے اسی طرح صوفی منش فقیر بھی تھے، لیکن نہ علم و فضل کے بلکہ  
 بانگ و دعویٰ ان کے ہاں تھے اور ہی روحانیت کے چرچے۔ ہر چیز خاکستری  
 ہے مضمون تھی۔ جہاں تک ادبی فصاحت و بلاغت کا تعلق تھا، یقیناً آپ ادیب  
 کامل تھے۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل ہنسی فاضل اور  
 پنجاب کے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کئے اور ساتھ فاضل لوی

بھی تھے۔ آپ نے حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے کسبِ فیض حاصل کیا۔ آپ نے ابتدا میں اپنے استاد حضرت مولانا فیض پوری جیسے جید عالم دین سے کسبِ فیض حاصل کیا۔ آپ کو حضرت میاں شیر محمد صاحب شرفپوری سے روحانی نسبت تھی۔ نیز حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سہان پوری جیسے عالم جید کی شاگردی کا فخر بھی حاصل ہے۔ قدیم تہذیب و معاشرت کے زبردست علمبردار تھے۔ ایک عابد گوشہ نشین، ایک زاہد شبِ زندہ دار اور تہجد گزار تھے اور نمازِ فجر تک درود و وظائف میں محو رہتے۔ راقم الحروف نے پاکستان کے پہلے بلند بخت وزیر اعظم خاں یگانہ علی خاں کو ان کے ہاں عاجزی کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اپنی رائے کے بے خوف اظہار میں جس بے باکی کا مظاہرہ کرتے تھے وہ اُنھنی کا ہی حصہ تھا۔ ان کی آنکھوں میں رعب و جلال ایسی خداداد چمک تھی اور ملاقاتی یقیناً مرعوب ہو جاتا تھا۔ میں ذاتی تجربے کی بنا پر پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ حضرت والد صاحب کی ذات فیوض و برکات کا سرچشمہ تھی۔ ان کی بزرگی و عظمت کا حال درج ذیل بیان کرتا ہوں :-

میرے چھوٹے بھائی محمد شفیع بنیادی گہوریت کے امیڈر

تھے۔ ان کے مد مقابل کی مثال ایسی تھی جیسے چوٹی اور ہاتھی کا مقابلہ ہو۔ برادرم پولنگ سٹیٹن جانے سے پہلے دعا کے لئے حضرت قبلہ مولانا عبدالرحمن صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ برادرم نے صوتِ حال سے آگاہ کیا یعنی مقابلے کی نوعیت بتائی۔ حضرت اقدس نے بہ مہم قلب و دعا



فرمائی اور فرمایا کہ جاؤ! خداوند کریم بہتری کرے گا۔ کامیابی سے ہمکنار ہو کر آؤ گے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت کی دعا قبول ہوئی اور برادرم کامیاب و کامران ہوئے۔

### آپ کی علمیت کی ایک جھلک

شہر کی پُرامن فضا کو مگدّر کرنے کے لئے بدعتی علمائے سوسنے

اس قدر ہوا دی کہ مسائل کو الجھا دیا۔ گھر گھر قریہ قریہ مسائل کا شور و غوغا

ہونے لگا یہاں تک کہ بدعتی مسائل کی وجہ سے جاہل لوگ آپس میں دست

گریباں ہونے لگے۔ پڑھے لکھے لوگ بھی اسلام کے صحیح مسائل کو سمجھنے کی

بجائے غلط فہمی میں مبتلا ہونے لگے۔ ایسے وقت میں حضرت مولانا عبد الرحمن

صاحب کب خاموش رہ سکتے تھے۔ چنانچہ آپ نے شہر ہتھوڑ کے علماء و

فضلا ر کو اکٹھا کیا اور ایک مجلس "مشاور العلماء" کے نام سے

منظم و مرتب کی جس کے صدر آپ اور جنرل سیکرٹری مولانا منظور احمد صاحب

خطیب جامع مسجد کلاں اندرون کوٹ بدین مقرر ہوئے۔ اس تنظیم کے تحت

آپ نے مسجد عید گاہ میں ایک جلسہ عام کا اہتمام کر لیا جس میں خطابت کے

لئے آپ کا نام مشترک کیا گیا۔ اس جلسہ عام میں معلوم ہوتا تھا کہ سارا شہر اٹھ

آئیے۔ پولیس اور انتظامیہ کی بھائی جمعیت بھی جلسہ گاہ میں موجود تھی۔ ہجوم

کا یہ عالم تھا کہ مسجد کا تمام صحن بھر گیا اور موری دروازہ تک کی تمام سڑکیں

پر لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آتا تھا۔ حضور کی تاریخ میں آج تک

میں نے اتنا برا ہجوم کبھی نہ دیکھا تھا۔

چنانچہ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب نے اس جلسہ کو خطاب فرمایا۔  
آپ نے تقریباً ۳ گھنٹے تک فصاحت و بلاغت کے ساتھ خطاب فرمایا۔  
آپ نے اسلام اور شریعتِ حقہ کی ایسی صاف اور واضح تصویر کھینچی کہ تمام  
حاضرین جلسہ اور سرکاری انتظامیہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس کا نتیجہ  
یہ ہوا کہ علمائے شہر کو پھر کبھی سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔

یہ تھی حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کی علمیت اور بزرگی کی معمولی سی  
جھلک جو اختصار کے ساتھ تحریر کی گئی ہے ورنہ آپ کے علمی اور بزرگی کے  
کارہائے نمایاں کا اظہار میرے جیسے کم علم کے لئے بہت ہی مشکل بلکہ ناممکن  
ہے۔ اس معمولی سی جھلک کو اس کتاب میں لانے کا مقصد حضرت والد و  
مولانا کی بزرگی و علمیت سے قارئین کو روشناس کرانا ہے۔ دوسرا مقصد  
یہ ہے کہ قبلہ والد صاحب کی نشست و برخاست کے متعلق آگاہ کیا جائے  
کہ وہ کیسے کیسے بزرگوں اور اصحاب سے صحبت رکھتے تھے۔ مجھے افسوس  
ہے کہ میں اس کتاب میں ایسے بزرگ ہستیوں کے حالاتِ زندگی قلمبند نہیں  
کر سکتا کیونکہ یہ کتاب تو میرے آباؤ اجداد کی سوانح عمری پر مشتمل ہے۔ یہ  
کام آپ کے اٹھنی ہم عصر بزرگوں کا ہی ہے کہ جن کے ساتھ مل کر آپ نے  
جامعہ اسلامیہ قصور کے مہتمم اعلیٰ کی حیثیت سے درس و تدریس کے علمی  
کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب خطیبِ اعظم و مفتیِ اعظم قصور جنکی زندگی

نرم رو تھی۔ جن کا گم نام وجود باغ دنیا کے لئے ایک بہار تھی جو ایک خوشبو کی  
مانند فضا میں پھیل کر ہمیشہ کے لئے اپنے چاہنے والوں کی نظروں سے  
اوجھل ہو جائے اور آسمان کی کسی نورانی دنیا میں جا بسے۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

میری زندگی نے اگر وفا کی تو حضرت والد صاحب کے بعض علمی اور بزرگانہ  
عظمتوں کے کچھ پہلو اجاگر کرنے کی سعی کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے  
کہ وہ مجھے توفیق ارزانی فرمائے کہ میں آپ کی حیات طیبہ پر کچھ لکھ سکوں  
تاکہ موجودہ پود اور آنے والی نسلیں اس چشمہ حقیقت سے قیامت تک

سیراب ہوتی رہیں۔

مقدر ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لیتیم  
تُو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیئے

## والد صاحب کا حلیہ اور سیرت طیبہ

آپ چھریے بدن کے آدمی تھے۔ میانہ قد، سفید و سُرخ مائل رنگ،  
باریک ناک، روشن آنکھیں، کشادہ پیشانی۔ ریش مبارک تقریباً پون لیسٹ  
چھوٹی چھوٹی مونچھیں، اعضاء متناسب اعتدال، چہرے سے ذکاوت و  
شرافت ٹپکتی تھی۔ چہرہ لبشرہ سے سنجیدہ، ہمداد اور رحم دل معلوم ہوتے تھے  
قبلہ بابا جی کے اپنے مزاج کی طرح ان کے وضع لباس میں بھی سادگی  
تھی۔ آپ سر پر ہمیشہ بگڑی پہنتے جو سفید ہوتی، نمیق، تگی (تہ بند) پہنا کرتے

جس طرح اخلاق میں تسنّع نہ تھا اسی طرح بات چیت میں بھی قطعاً بناوٹ نہ تھی۔ ہر شخص آپ کی صحبت میں بیٹھتا وہ آپ کی سادگی، علم، بردباری کو دیکھتے ہوئے آپ کی شریف دلی اور باطنی عظمت کا قائل ہو جاتا۔ آپ ان خصائل و عادات کا مجسمہ تھے :

زبان میں شیرینی، گفتگو میں نرمی، خاموشی۔ پاک باز، عمل و کردار کا دھنی اور نرم و حیا کا پیکر تھے۔ وہ پرانی وضع کے انتہائی سادگی پسند اور پر خلوص بزرگ تھے۔ اپنی نیک نیتی پر ہمیشہ نازاں تھے۔ ان کی بو و باس اور طرز معاشرت میں قدیم صفات پائی جاتی تھیں جصلہ رحمی، رشتہ داروں سے حسن سلوک اور احسان میں اپنی مثال آپ تھے۔ وہ اپنے غریب رشتہ داروں کے کام آتے اور مصیبت میں ان کا غم کھاتے تھے۔ وہ سب کے دکھ سکھ میں عملی طور پر شریک ہوتے۔ مشکلوں میں ہر ایک کی امداد ضرورت کے وقت دستگیری، بیماری میں تیمارداری اور مصیبت میں غم خواری کرتے۔ بابا جی موصوف کی یہ خوبی بھی تھی کہ خواہ ان کو کتنا غصہ ہی کیوں نہ ہو، وہ اپنی زبان کو دشنام طرازی سے کبھی آلودہ نہ ہونے دیتے۔ بیکدل یاپ اور پارسا والدہ کی تربیت کا اثر آخری دم تک رہا۔ کتنی بھی مصروفیت ہو، صوم و صلوات کے پابند رہتے۔ پنج وقت نماز کے علاوہ چاشت کی نماز بھی بڑی پابندی سے ادا کرتے۔ سحر خیزی کرتے اور تہجد نماز کی پابندی فرض کی نمازوں کی طرح کرتے۔ تہجد اور فجر کی نمازوں کے درمیانی وقفہ میں درود و وظائف میں مشغول رہتے۔ نماز فجر و چاشت کے درمیانی

عرصہ میں تلاوتِ قرآن مجید ان کا معمول تھا۔ بعد نماز عشاء سورۃ ملک کی تلاوت  
 زبانی کرتے۔ ان معمولاتِ زندگی پر وہ عمر بھر کار بند رہے۔ اُنھنی کا قول  
 ہے کہ میں ابھی سات سال کا ہوں گا کہ میرے والد صاحب صبح کی نماز  
 کے لئے مجھے جگاتے اور مسجد لے جاتے اور میں ان کے ساتھ نماز فجر  
 یا جماعت ادا کرتا رہا۔

یہ فیضانِ کرم تھا کہ مکتب کی کرامت تھی  
 سکھلانے کس نے اسمعیل کو آدابِ فرزندانی

خیراتی کام : آپ رفاہِ عامہ کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے  
 جس سے انھیں سکون ملتا۔ اپنے محلہ کی مسجد کی تعمیر کیلئے کھٹی کے صدقے تھے۔  
 اس کے لیے گھر گھر جا کر چندہ اکٹھا کیا اور خود بھی حتی المقدور اپنی طرف سے  
 حصہ ڈالا۔ اس طرح اس مسجد کی تعمیر مکمل کروائی۔

راحمِ اکروف جب مدینہ کا لونی والٹن لاہور میں سکونت پذیر تھا تو جانا  
 فاروقیہ مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں خود بھی چندہ دیا اور اپنے فرزندوں کو بھی  
 چندہ دینے کی ترغیب دیتے رہے۔ مدینہ آئس فیکٹری کے قریب ہی  
 ایک مسجد انوار التوحید کی بنیاد رکھی جو زیر تعمیر ہے۔ آپ کی وفات کے  
 بعد آپ کی یادگار کے طور پر فرزند ارجمند حاجی فضل الہی نے آپ کے نام کی  
 من سبت سے ایک مسجد نور الہی چوکنگی ملتان روڈ کے نزدیک تعمیر کرائی  
 ہے جو مکمل ہو چکی ہے۔

آپ نے رضائے الہی کے لئے اپنی زندگی ہی میں اتنے بے شمار فلاحی



کام کر گئے ہیں جن کی تحریر کے لئے یہ صفحات ناکافی ہیں مختصر یہ کہ یہ سب کام صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتے ہیں جو رہتی دنیا تک ان کے لئے زادِ راہ اور توشہ آخرت بنے رہیں گے۔ اور ان کی رُوح کو دائمی ثواب باعث ہے۔

## غذا

آپ کی غذا سادہ تھی۔ اب واجدِ ادا سے گھر میں گائے بھنسی تھی۔ مکھن، دودھ، دہی، سرسوں کا ساگ، مکئی اور باجرہ کی روٹی آپ کی مرغوب غذا ہیں تھیں۔ آپ ہمیشہ بادام، سونف اور خشک خاں کا گھوٹ استعمال کیا کرتے تھے۔ سونف کے چاول نکال کر تباشیر چھوٹی الائچی اور شکر ملا ملا سفوف بناتے اور بوتل میں محفوظ کر لیتے۔ رات سوتے وقت چھوٹا چمچہ دودھ کے ساتھ نوش فرماتے۔ یہ معمول عمر بھر رہا۔ تمام عمر گھر میں گائے بھنسی رہی اور عمر بھر خالص دودھ بھی استعمال کیا۔

وفات سے تقریباً ۲۰ سال پہلے جب زوجہ محترمہ داغِ مفارقت دے گئیں تو آپ اپنے فرزندِ ارجمند حاجی محمد شفیع کے ہاں مدینہ آکس فیکٹری میں رہائش پذیر ہو گئے۔ کیونکہ اس گھر میں بھی ہمیشہ سے گائے بھنسی موجود تھی لہذا یہاں بھی آپ کو خالص دودھ دہی اور گھی میسر رہا۔ مرنے سے غذاؤں سے ہمیشہ پرہیز کیا۔ گوشت پر سبز لویں کو ترجیح دیتے۔ اور گوشت کے صرف شوربے پر گزارا کرتے۔ چائے سے نفرت تھی صرف میوے میں کبھی کبھی پیتے۔ گنا گندھیری کے شوقین تھے

چاہے کوئی بھی موسم ہوتا آپ روزانہ تازہ پانی سے غسل فرماتے اور

پھر نماز فجر مسجد میں جا کر باجماعت ادا کرتے۔ اس معمول میں کبھی کمی نہ آنے دی اور یہی تھا آپ کی لمبی عمر کا راز۔

آپ اپنی زندگی ہی میں اپنی کثیر اولاد کے مزاجوں سے سبکدوش ہو گئے تھے سب اولاد کی شادیاں اپنے ہاتھوں سے کیں اور دنیاوی تھنچھٹ سے آزاد ہوئے۔ جائداد کی تقسیم کا موقع آیا تو تمام بیٹوں نے باہم مل کر اسے بھرتی احسن بیٹا لیا۔ یہ مسئلہ ایک ٹیڑھی کھیر تھا مگر سعادت مند بیٹوں نے کانٹوں کا نخرہ نہ ہونے دی۔ ہمارے بھائی حاجی محمد حسن نے اس معاملہ میں مرکزی کردار ادا کیا۔ عوالد صاحب اپنے اس بیٹے کے اس کا رنامے کو اکثر یاد کرتے۔ آپ کے اس نوجوان بیٹے نے عہد شباب ہی میں داغ مفارقت دیدیا۔ بابا حاجی اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکے۔ اختلاج قلب جیسا موذی مرض لاحق ہو گیا اور بالآخر دل کی یہ بیماری جان لیوا ثابت ہوئی۔

**کفایت شعاری :** بابا حاجی کی ابتدائی زندگی میں دولت کی فراوانی نہ تھی۔ ایک متوسط خاندان کی خوشحالی کا راز کفایت شعاری اور سادہ طرز زندگی میں مضمر ہے اسی لئے انھوں نے کفایت شعاری اور سادگی کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ مناسب وقت پر خرچ کرنے سے کبھی دریغ نہ کرتے۔ اس کے علاوہ فیاض بھی تھے۔ اس تقیر منش انسان نے اسلامی شعار کا جو زیادہ شہرہ سے پہن رکھا تھا اُسے عمر بھر زیب تن رکھا۔ کوئی حاجتمند آتا تو چکے سے دیتے۔ نام و نمود سے کوسوں دور رہتے۔ بعد نماز آخرت کی سرخروئی کی

دعا کے ساتھ دنیا میں کامیابی کی دعا بھی کرتے اور گڑا گڑا تے۔  
 حق تو یہ ہے کہ محنت مشقت اور خون پسینہ ایک کر کے کمانے  
 ہونے رزق کے ساتھ اگر انسان پاک دل، پاک باز، پاک بین اور خدا  
 ترس بھی ہو۔ دل میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ بھی رکھتا ہو۔ اس  
 کے ساتھ ساتھ عاجزی اور انکسالی کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا ہو  
 تو ایسے آدمی کی دنیا داری بھی عین دین داری ہے۔

### روحانی تربیت

آپ کو شروع ہی سے اہل اللہ کے ساتھ بے حد عقیدت اور محبت تھی اور  
 اسی شغف کی وجہ سے بزرگوں کے تذکرے نہایت لطف سے سنتے۔ آپ نے  
 سب سے پہلے اپنے استاد میاں حاجی محمد مرحوم کی خواہش اور ان کے ایما پر  
 پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری سے بیعت کی۔ ان کی وفات  
 کے بعد آپ نے امام اولیاء حضرت الحاج السیدی مولانا احمد علی صاحب نور اللہ  
 مرقدہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور ان کے مرید ہوئے۔  
 آپ اپنی زندگی میں گامے بگامے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور  
 کسبِ فیض و روحانیت کی منزلیں طے کرتے رہے۔ حضرت مولانا نے آپ کی  
 زندگی پر توحید و رسالت کا اس قدر رنگ چڑھایا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ بابا حاجی  
 نے اپنے تمام فرزندوں کو بھی حکم دیا کہ وہ سب حضرت شیخ التفسیر ولی ملتعلی  
 سلطان الاولیاء مولانا احمد علی صاحب سے ہی بیعت کریں۔ لہذا سعادت مند  
 بیٹوں نے اپنے والد کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے اس ولی کامل کی خدمت

میں حاضری دی اور بیعت کی درخواست کی جو حضرت مولانا نے کمال شرف سے منظور فرمائی اور بیعت سے نوازا۔ پھر روحانی فرزندگی میں لے کر ہمیشہ وہ سے نوارتے رہے اور ہم مریدین عقیدت، ادب و اطاعت سے اپنی چھولیاں بھرتے رہے۔

## اولاد

بابا جی موصوف خاندان بھر میں صرف واحد اولاد نہ رہیں تھے لیکن والدین کی دعاؤں کا حیدرہ تھا کہ آپ کے ہاں کثیر اولاد ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت بے پایاں سے آپ کو ۱۲ لڑکے اور دو لڑکیاں عطا فرمائیں۔ زوجہ سے ایک لڑکا اسلام دین تھا جو اس لڑکے کی پیدائش کے کچھ ہی بعد وفات پا گئیں۔ پھر دوسری شادی کی تو ۱۲ لڑکے اور ۲ لڑکیاں تو ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں :-

لڑکے : معراج الدین — فتح محمد — محمد نور

محمد شریف — محمد عالم — علامہ

اللہ دتہ — فضل الہی — محمد حسن

محمد حسن — محمد شفیق — محمد

لڑکیاں : زینب بی بی — خورشیدی

تین لڑکے معراج الدین، فتح محمد، اللہ دتہ چھوٹی عمر ہی میں فوت ہوئے۔ محمد عالم بھی ایک سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ باقی اولاد کی شادی اپنی زندگی میں کر کے اپنی اولاد کے فرائض سے فراغت حاصل کر لی۔ بابا جی کو اللہ تعالیٰ

میاں اسلام دین صاحب مرحوم (انجینئر)



نے اپنے پوتوں کے ہاں اولاد دیکھتی نصیب فرمائی۔  
 بابا جی کی اولاد یعنی ہم سب بہن بھائیوں کے حالات زندگی  
 کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو درج ذیل ہے :

## ① میاں اسلام دین

تقریباً ۵۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے لڑکے فیروز  
 معراج دین انجینئر، اعجاز احمد، شوکت علی اور تین لڑکیاں بختاور، حمیدہ  
 بیگم تھیں۔ یہ تمام اولاد باپ کی وفات کے بعد تک زندہ رہی۔  
 اسلام دین شروع شروع میں عمارتی لکڑی ترکھانا کا کام کرتے رہے  
 اس کے بعد جنگ فیکٹری میں کام کیا۔ یہ اپنے وقت کے نامور فردوں  
 ہوتے تھے۔ تعلیم حاصل نہ کر سکے اس کے باوجود شریف النفس، علم  
 اور شرافت کی زندگی گزاری۔ تقریباً ۵۷ سال کی عمر میں راہی ملک  
 ہوئے۔ پیر اپنے والد کے مرقد کے مشرقی جانب اور والدہ کی قبر  
 ساتھ ہے۔ اولاد: لڑکے۔ حاجی فیروز دین معراج دین اعجاز احمد

لڑکیاں : بختاور بی بی۔ رشید بی بی۔ حمید بی بی

## ② محمد لوار (رازم الکتاب علیہ السلام)

میری تاریخ ولادت ۱۹۱۸ء/۵/۱۱ سے۔ تقریباً ۷۷ سال کی عمر  
 امام مسجد میاں حاجی محمد مرحوم سے ناظرہ قرآن پاک ختم کیا اور گھر میں  
 گئی۔ بعد ازاں گورنمنٹ انڈسٹریل سکول ہتھور میں تعلیم کے لئے داخلہ

میں تعلیم کے ساتھ ساتھ دستکاری یعنی نوہارہ ترکھانا کا کام بھی سکھایا  
 تا اور ڈرائنگ بھی۔ یہ قرآن مجید پڑھ لینے ہی کی برکت تھی کہ میں بر  
 ت میں اول پوزیشن حاصل کرتا رہا۔ پانچویں جماعت میں گورنمنٹ سے وظیفہ  
 لیا جو پانچ روپے ماہوار تھا اور ہر جماعت چڑھنے پر ایک روپیہ اضافہ  
 تا۔ ۱۹۳۲ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا۔ پھر والدین نے شادی کر دی۔  
 وقت میری عمر کوئی ۶ سال کی ہوگی۔

شادی کے تقریباً ایک سال بعد میرے سسر مایا قمر الدین فوت ہو گئے  
 برعی اوزار بنانے میں بہت شہرت رکھتے تھے۔ ان کا کاروبار کوٹ  
 ون میں تھا جہاں ان کی دکان پر کام کا بہت رش ہوتا تھا۔ مایا قمر الدین  
 وفات کے بعد کاروبار کا بوجھ ان کے دو صاحبزادوں نے سنبھالا۔ چنانچہ  
 صاحب نے مجھے بھی ان دو بھائیوں کے پاس کام پر بٹھا دیا۔ ایک سال  
 یہاں کام کیا پھر اپنی علیحدہ دکان پر جہاں اب مدینہ آئس فیکٹری ہے  
 اتر کھانا کا کام شروع کر دیا۔ تقریباً ۶-۷ سال تک اپنی دکان پر  
 م کرتا رہا۔ اس زمانہ میں میرے والد صاحب حاجی میاں فرید کے  
 رخانہ میں کام کرتے تھے۔ بندہ بھی کبھی کبھی اس کارخانہ میں اپنے  
 والد کے پاس جایا کرتا تو یہی سے مجھے اسٹیم انجن چلتا دیکھ کر دل میں شوق  
 پڑا ہوا کہ میں بھی کام ہی سیکھوں چنانچہ میں اس کام کو سیکھنے کے لئے  
 ہلی مرتبہ ۱۹۳۸ء میں ملٹری محمد حسین ٹھیکرانی کے ساتھ کوٹ رادہ کیشن  
 ضلع لاہور میں بحیثیت انجن ڈریور ملازم ہو گیا۔ دوسرے سال ابوہریر

فیروز پور اور تیسرے سال رانیوڈ ٹیچنگ لائبریری میں کام کیا۔

انہی دنوں میں تھرو ڈیگری کلاس انجینئر کے امتحان کی تیاری کرتا رہا اور امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ امتحان کی کامیابی سے میرا حوصلہ بڑھا اور سیکنڈ کلاس کے امتحان کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ اس امتحان کی تیاری کے سلسلے میں میں نے مقامی انجینئروں کا تعاون اور ان سے استفادہ کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ ہر کسی نے مجھے حوصلہ افزائی کے طور پر باتوں سے میری دل شکنی ہی کی مگر میں دل جمعی اور لگن سے امتحان میں لگا رہا۔ میرے دل میں خواہش رہی کہ مجھے کسی ماہر انجینئر کی مدد ضرور چاہیے۔ یہ کسی ماہر انجینئر کی جستجو کرتا رہا اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا رہا اس امید کے ساتھ کہ خداوند کریم ضرور میرے دامن امیدیں بزرگ و بار ڈالیں گے۔ اور میری امداد فرمائیں گے۔

اے میری دل سوز میری کار سزا  
چاہ میں یوسفؑ کی دل آزا  
تھا منے والی دل تاکام  
مشکلیں آساں نظر آتی ہیں سزا  
چھو یوحانی کا نہ ساتھ اے

اے میری امید میری جہاں نواز  
نوحؑ کی کشتی کا سہارا تھی تو  
کاٹنے والی عسیم ایام کی  
ہوتی ہے تو نیشیت پہ بہت کے جیب  
تجھ سے چھپا راحت جاں کا ہے بھید

چنانچہ اب میری امید نرانے کا وقت قریب تر آ گیا ہے

ہے جستجو کہ خوب سے سے خوب تر کہاں

اب دیکھئے کہ ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں

ادھر میرے دل میں یہ خیال موجزن ہوا، ادھر خدا تعالیٰ کی رحمت کو  
 دیکھ کر آگیا۔ اب میرے دامن امید بھرنے کا وقت فریب آگیا۔ مجھے اللہ  
 جانے کی طرف سے ندا آئی کہ اے خالق کے راندے ہوئے بے کس  
 نسان! تیری بیکسی کو اب میں گوارا نہیں کر سکتا۔ جا اور جلد جا میری  
 بمت کی بارش فیصل آباد کا فونی فلور ملز کے انچارج مستری میاں چراغ  
 بن حنیف انجینئر ہو رہی ہے۔ وہاں بیسیوں بلکہ سینکڑوں تیرے جیسے  
 باہل اور کم علم لوگ فیضیاب ہو رہے ہیں۔ جا اور اس کے گلزارِ حرمین میں  
 ایک پوسے کی مانند لگ جا۔ وہاں تیرے دامن امید میں بھول بھیل  
 آجائیں گے۔

بس یہ خیال آتے ہی میری خوشی کی انتہا نہ رہی اور جلد ہی اپنے  
 والد بزرگوار کو ساتھ لے کر صاحب موصوف میاں چراغ دین صاحب کی  
 خدمت میں حاضر ہو گیا۔ والد گرامی نے اپنے آنے کا مدعا جب میاں  
 صاحب سے بیان کیا تو انھوں نے کمال شفقت سے مجھے اپنے ہاں  
 رہنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ میاں صاحب مذکور ایک خدا رسیدہ  
 بزرگ، ملتسار، خوش گفتار اور بااخلاق شخصیت کے مالک تھے۔ وہ  
 بے اندازہ قوم کا درد رکھتے تھے۔ خوش اخلاق اتنے کہ جو شخص بھی ان کی  
 گفتگو سنتا ان کا گرویدہ ہو جاتا۔ ان کی زبان کی چاشنی میں ایسی مٹھاس  
 جیسے مصری کی ڈلیاں طبیعت میں روحانیت کا میلان تھا۔ بہت ہی  
 بزرگ ترین شخصیت کے مالک تھے۔

آپ کو فنِ انجینیری میں کہاں حاصل تھا۔ آپ کو نئی مشینری بنانے میں بہت ہی ماہرانہ دسترس تھی۔ آپ کی بنائی ہوئی نئی مشینری نقص سے پاک ہوتی تھی سوائے اس بات کے کہ اسے ولایتی نہیں کہا جاسکتا تھا مگر وہ ہر طرح سے ولایتی کا مقابلہ کرتی تھی۔ فنِ مشینری کے میدان میں آپ کو عبور حاصل تھا۔ چنانچہ تین دوسرے طالب علموں کے ساتھ میں بھی ان کی شاگردی میں شامل ہو گیا۔ تین ماہ کے قلیل عرصہ میں آپ نے نیچے علم انجینیری کے ایسے ایسے نکتے ذہن نشین کروائے جو میں کافی عرصہ سے باوجود کوشش کے حاصل نہ کر سکا۔ اتنی قلیل مدت میں آپ نے مجھے اس قابل بنا دیا کہ میں سیکنڈ کلاس انجینیر کا امتحان دینے کے قابل ہو گیا اور آپ نے مجھے یہ امتحان دینے کی اجازت بھی دیدی۔ اپریل ۱۹۲۵ء میں میں نے اس امتحان میں داخلہ لیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ میں خداوند کریم کی مہربانی اور جناب میاں صاحب موصوف کی سعی و کوشش سے امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ خداوند کریم دنیا و آخرت کی ہزاروں نعمتوں سے امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ خداوند کریم کو مالامال کرے کہ اس نے قوم کو ایسا نیک انجینیر اور بزرگ و ولایت کیا جس نے مجھ پر اتنا بڑا فیض کیا اور پنجاب بھر میں صرف یہی واحد شخصیت ہے جو قوم پر اتنا بڑا احسان اور فیض کر رہی ہے۔ قوم کو ایسے تیک و دل اور ماہر انجینیر کی اشد ضرورت ہے۔ میرا دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اپنی خاص مہربانی اور عنایت ان پر نچھاور کرے۔

میں اور میرے والد صاحب جب میاں چراغ دین صاحب کا شکر یہ



ادا کرنے ان کے دولت گرد و پر حاضر ہوئے تو انھوں نے کمال شفقت اور دلی دعاؤں سے رخصت کرنے ہوئے مجھے چند نصیحتیں کیں اور فرمایا کہ میری ان نصیحتوں پر عمل پیرا رہنا اور دوسرے شاگردوں کو بھی ایسی نصیحتیں کرتے رہنا۔ پھر زندگی میں کامیابی کے لئے مجھے پر سوز لہجہ میں دعائیں دیں۔ اس طرح مجھے اور میرے والد بزرگوار کو رخصت کیا۔ ان کی نصیحتیں مندرجہ ذیل تھیں:

۱۔ انھوں نے مجھے نصیحت کی کہ جس طرح میں نے تمہیں امتحان کی نیامی اور ہنرمندی سے نوازا ہے، تم بھی اسی طرح دوسروں کو پڑھاتے اور کام سکھاتے رہنا۔ اس طرح جہاں اوروں کا بھلا ہو گا وہاں تمہاری علمیت میں بھی اضافہ ہو گا اور تمہاری ہنرمندی کو چار چاند لگ جائیں گے۔

۲۔ اگر کوئی انجینئر تمہارے پاس کام کے متعلق مشورہ کرتے آئے، انجنیئر بوائے کو پیمپ وغیرہ کے بارے میں تو اسے ایسا مشورہ دو کہ اس کی پوری تسلی ہو جائے۔ اگر زبانی سمجھانے سے تسلی نہ ہو تو اس کے ساتھ جاؤ اور عملی طور پر اس کی تسلی کرو۔

۳۔ اگر کوئی تمہارا بھائی انجینئر تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے کہے تو بلا حیل و حجت فوراً اس کے ساتھ اس کا بگڑا کام سنوارنے جاؤ۔

۴۔ ایسی صورت میں اگر شہر سے باہر جانا پڑے تو گریہ وغیرہ اپنا خرچ کرنا اور اس انجینئر کے ساتھ مہمان بن کر جاؤ۔ اس کے مالک کا رخانہ دار کو معلوم نہ ہونے پائے کہ تم کس مقصد کے لئے آئے ہو تاکہ اس انجینئر کا وقار بحال رہے۔

میں میاں صاحب کی ان نصیحتوں پر عمر بھر کا رہنما رہا۔ ان کے فرمودات پر پورا پورا عمل کیا اور اس بات کے شاہد میری برادری کے معززین کے علاوہ میرے حقیقی بھائی اور بیسیوں شاگرد ہیں جنہوں نے مجھے استفادہ کیلئے یہی نئے نئے اور غیروں کو بلا تفریق پڑھایا اور کام سکھایا، علم انجیری سے حتی المقدور روشناس کرایا اور اپنی لائن پر چلایا جو سب کے سب خدا کے فضل و کرم سے کامیاب اور باعزت زندگی گزار رہے ہیں۔

چونکہ مجھے اپنے چھوٹے بھائیوں کو ہنرمندی اور انجیرنگ کی زیور تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کرنا تھا اور یہ میرا فرض منصبی بھی تھا اس لئے کہ میں عمر کے لحاظ سے سب سے بڑا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ خداوند کریم نے میرے خاندان کی خدمت کا کام مجھ سے لیا اور فرمایا ہے کہ مجھ جیسے گنہگار کو اس لائق سمجھا۔ میرے سب بھائی ہنرمندی میں مجھ سے آگے نکل چکے ہیں بشکر و الحمد للہ رب العالمین !

علم انجیرنگ کے بارے میں اکثر و بیشتر ماہرانہ کتابیں انگریزی زبان میں ملتی ہیں جن سے اردو دان حضرات کما حقہ استفادہ نہیں کر سکتے۔ لہذا اس میدان میں اپنی عمر کے تجربات کو میں نے اردو زبان میں فلمبند کیا ہے۔ ایک حصہ میں پریکٹیکل اسٹیجیو بوائٹرز سوال جواب ہے۔ اس میں سابقہ امتحانات کے پرچہ جات کو حل کر کے بالکل سلیس اردو زبان میں تحریر کیا ہے۔ دوسرا حصہ بوائٹرز کے حساب پر مشتمل ہے۔ اس میں بھی سابقہ پرچہ جات کو حل کیا گیا ہے۔ یہ کوشش میں نے اس نقطہ نظر سے کی ہے کہ میرے خاندان

میں اعلیٰ تعلیم کا فقدان تھا۔

استاد محترم میاں چراغ دین صاحب کے فرمان کے مطابق میں نے اپنے حقیقی بھائیوں کے علاوہ شہر کے آٹھ دس افراد کو پڑھایا اور وہ امتحان میں کامیاب و کامران ہوئے۔ اس میں دوسروں کی کامیابی کے علاوہ میری قابلیت میں بھی نمایاں اضافہ ہوا اور میں نے فسط کلاس کا امتحان پاس کر لیا۔

میاں چراغ دین کا فرمان حرف بحرف درست ثابت ہوا۔ میں اپنے خاندان میں واحد شخص تھا جس نے یہ امتحان پاس کیا اور یہ اعزاز حاصل کیا۔ الحمد للہ! الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے برسوں کی محنت کا پھل مل گیا۔ سچ ہے محنت اور صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔

ہے قوتِ بازو میں تیری راتِ سعات

تو ڈھونڈتا پھرتا ہے اسے یالِ بہا میں

جو کرتے ہیں دنیا میں محنت زیادہ

بے غوطہ ذنی تہنچ گھر کس کو ملا ہے

بے حور کشتی تاجِ ظفر کس کو ملا ہے

بے کاشِ جاں علم و ہنر کس کو ملا ہے

سزاوار ہوتے

کے طلبگار ہوتے

بڑا ہو کے کلتے سہمٹا کرے

آرام کی تلاش میں ایذا اٹھائے

وہی لوگ پاتے ہیں عزت زیادہ

بے کوشش و بے ہمد کس کو ملا ہے

بے خون پئے لقمہ تر کس کو ملا ہے

بے خاک کے چھانے ہوئے زر کس کو ملا ہے

جو رتیبہ والا کے

وہ پہلے مصیبت

جو پھولوں کے سبوں میں لپٹا کرے

سختی راہ کھینچے منزل کے شوق میں

ہمت سے کام کرتا رہ اور دین دار رہ

امید و رحمت پروردگار رہ

باندھ کر کہ دوری منزل کا غم نہیں ہے یادیاں درست تو سال کا غم نہیں  
سر پر خدا ہے تو پھر مشکل کا غم نہیں باقی ہے وقت زرع تو حال کا غم نہیں



میں نے اپنے خاندان کی جو خدمت کی اس کا صلہ مجھے زندگی ہی میں مل گیا۔ میرے بھائی حاجی فضل الہی و حاجی محمد حسن صاحبان جب حج پر جانے لگے تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ بھائی صاحب ایہم کعبۃ اللہ اور روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر آپ کے لیے کیا دعا کریں۔ میں نے کہا کہ صرف میرے حق میں ایک ہی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے جو اولاد مجھے عطا کی ہے میں اپنی زندگی ہی میں اپنے ہاتھوں ان کے حقوق و فرائض سے فراغت پاؤں اور سبک دوش ہو جاؤں۔ ان کی دعا رنگ لائی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھ گنہگار پر ایسا احسان فرمایا کہ واقعی میں ۶ سال کی عمر میں ۱۹۷۷ء میں اپنی سب سے چھوٹی بچی زبیدہ بی بی کی شادی کر کے فارغ الیال ہو گیا۔  
الحمد للہ! ثم الحمد للہ!

» خداوند کریم نے مجھ پر ایک بہت بڑا احسان یہ بھی کیا کہ ملازمت کا جو

سلسلہ ۱۹۳۸ء سے شروع کیا تھا وہ ۱۹۸۰ء میں آ کر ختم ہو گیا اور ملازمت

سے سبکدوشی کے بعد اللہ تعالیٰ نے میری روزی کا سامان ایک آئس فیکٹری

کی صورت میں کر دیا الحمد للہ! اے اللہ تیرا بڑا ہی احسان ہے۔ یہ ناچیز

بندہ تیرا شکر گزار ہے۔  
 اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے سات لڑکوں کے اور تین لڑکیا  
 عطا فرمائیں جو سب کے سب شادی شدہ اور کامیاب زندگی بسر کر رہے  
 ہیں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں :-

انعام محمد ابراہیم زینت محمد اسماعیل ابو سعید  
 ڈاکٹر محمد امین ڈاکٹر محمد یونس  
 حاجہ فتمنا احمد محمد سلیم ابو سعید  
 زبیدہ بی بی سکینہ بی بی حلیمہ بی بی

یہ سب اپنے اپنے گھروں میں خوش و خرم آباد ہیں۔ لڑکوں کے سب کے  
 سب ڈپلومہ یافتہ ہیں۔

حمد و ثنا میں تیری خدا یا سب کی زبان قاصر ہے  
 تیری حقیقت سے کوئی بندہ ہو نہیں سکتا ماہر ہے  
 تیرے کرم سے بے نیاز کونسی شے بل نہیں جھولی ہی میری تنگائے تیرے یہاں کجا نہیں



میری باتوں سے نمایاں علم ہو ایمان ہو  
 میرے کاموں سے دو بالا زندگی کی شان ہو  
 یہ میری جانِ حنریں جو آج تک بیکار ہے  
 اے میرے اللہ! تیرے نام پر قربان ہوا



اے عینِ محفوظانِ شباب میں فوت ہو گئے۔



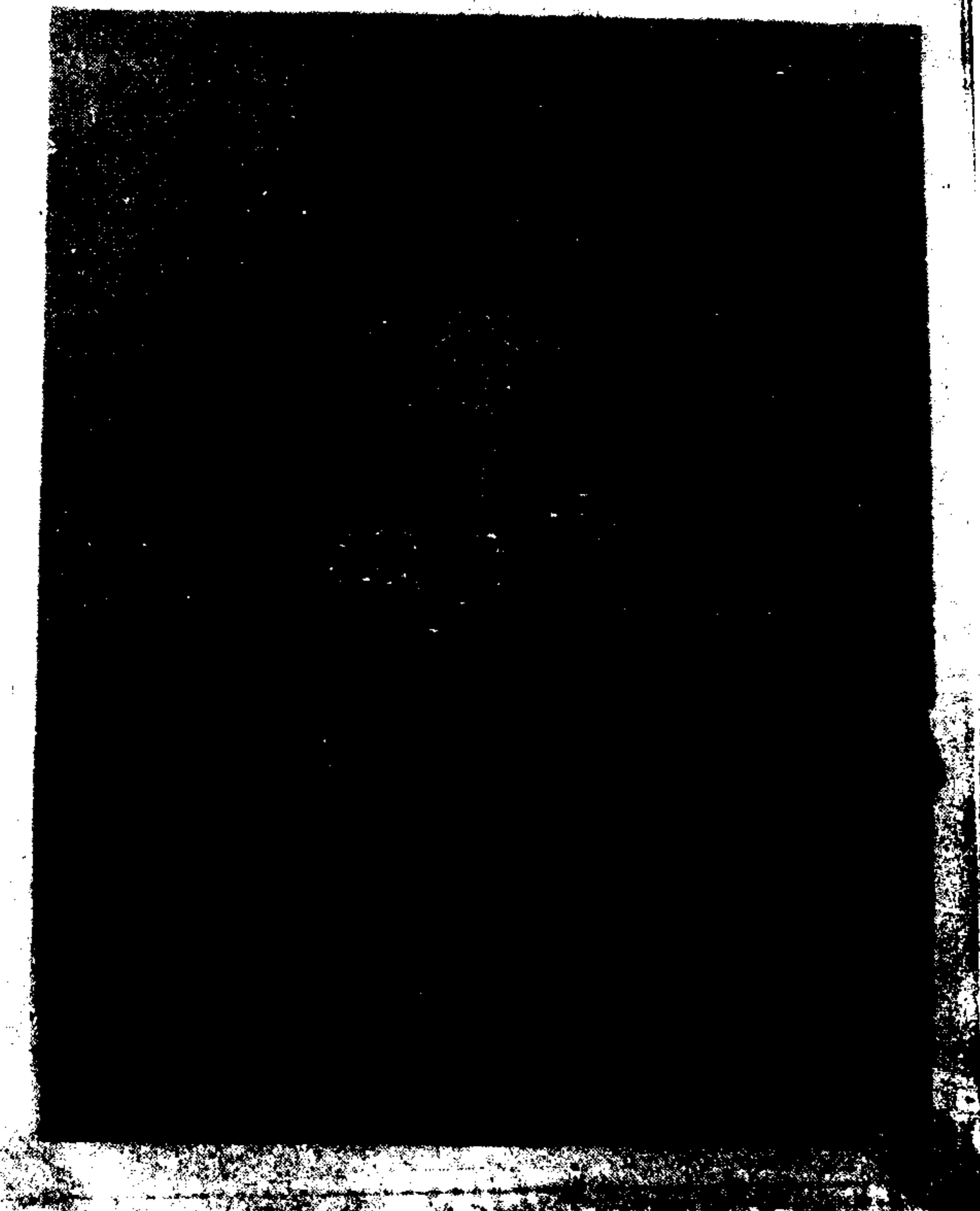
## میاں محمد شریف

(۳)

ناظرہ قرآن مجید کی دینی تعلیم سے قطع ہو کر گورنمنٹ ائڈسٹرل سکول قصور میں مل  
تک تعلیم حاصل کی تعلیم سے فراغت پا کر میرے ساتھ دکان پر لوہارا تر کھانا کا کام کرتے  
رہے۔ پھر جیننگ فیکٹری کا کام کرتے رہے۔ جب میں کارخانہ میاں محمد شفیع صاحب  
موروالہ میں اپنا راج تھا تو اس دوران میرے پاس پڑھتے اور کام سیکھتے رہے  
تھوڑے کلاس کا امتحان پاس کرنے کے بعد سینکڑوں کلاس کا امتحان پاس  
کرا اور کالونی ٹیکسٹائل ملز اسمبلی آباد ملتان میں بطور شفٹ انجینئر تعینات  
ہو سکئے۔ اسی جگہ فرسٹ کلاس انجینئر کا امتحان پاس کیا۔ اسی ملز میں بوائے  
ہاؤس انجینئر بنا دیے گئے۔ تقریباً ۸ سال تک یہاں اپنا راج رہے اور پھر  
طبیعت میں تسخیر کی وجہ سے ملز مالکان سے تیاہ نہ ہوا۔ کالونی ٹیکسٹائل  
ملز اسمبلی آباد ملتان سے ملازمت چھوڑ کر فیصل آباد میں رہائش اختیار کر لی۔  
یہاں مختلف فیکٹریوں اور ملوں میں ٹھیکہ پر بوائے ہاؤس رکیشن اور فنگک کرتے  
رہے۔ انھی دنوں شوگر کی بیماری کی وجہ سے طبیعت تاسا ز رہنے لگی۔ پھر  
فیصل آباد سے لاہور اچھرہ آگئے۔ بیماری طویل پکڑ گئی اور آخر ۱۹۷۶ء میں  
مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا لہ وانا اللہ راجون۔ پسماندگان میں ۵ لڑکے اور  
تین لڑکیاں ہیں۔ ان کی قبر والد بزرگوار کی قبر کے مغربی جانب ہے۔

حق تعضرت کرے عجبت آزاد مرد تھا

اولاد : لڑکے۔ غلام نسین۔ محمد انور محمد اکرم۔ محمد فضل۔ محمد شتیق۔ محمد نعیم۔  
جہاںگیر اختر۔ کلثوم اختر۔ خوشنودہ بانو۔



انجیر میاں محمد شریف صاحب (مرحوم)

## میاں غلام محمد

(۲)

قراچے شریف کی ناظرہ تعلیم کے بعد اسلامیہ پرائمری سکول کوٹ انڈون میں پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔ پھر میرے ساتھ دکان پر لوہا تراش کر کام سیکھتے رہے۔ بعد میں سٹیٹ انجینئرنگ ڈرائیور کا کام کیا۔ مقررہ کلاس امتحان پاس کرنے کے بعد مختلف فیکٹریوں میں انچارج رہے۔ آئل ایکسیلرون اور کولہوں کا کام بھی کرتے رہے۔

اچھڑہ میں مستقل رہائش رکھتے ہیں۔ ملازمت چھوڑ دی ہے اور وہی کے پیچھے ٹھیکہ پر لے کر چلا رہے ہیں۔ اچھڑہ میں کافی شہرت کے مالک ہیں۔ صوم و صلوة کے پابند ہیں اور اسلامی ذہن و خیالات رکھتے ہیں خوش باش زندگی گزار رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اتنی محنت و مشقت کے باوجود تقریباً ۵۳ سال کی عمر میں بھی بٹاش بٹاش نظر آتے ہیں اور چہرے پر بڑھاپے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔

ماشاء اللہ بہت ہی خوش طبع، باوقار، شرم و حیا کے پیکر۔ طبع اور دیانت دار انسان ہیں۔ ان کی اولاد میں صاحبزادے اور صاحبزادی شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ۱۹۸۲ء میں حرمین الشریفین کی حاضری سے بھی نوازا۔ یعنی حج بھی کیا ہے۔  
اولاد: لڑکے۔ اشفاق احمد، محمد اکرم۔ حاجی محمد اشرف، محمد عاصف۔  
لڑکیاں۔ رضوانہ بی بی، رضوانہ بی بی، سمینہ بی بی۔

میلاں غلام محمد صاحب انجمنیر



# الحاج میاں فضل الہی

(۵)

قرآن مجید پڑھنے کے ساتھ انڈر میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ قرآن مجید ناظرہ پڑھ لینے کے بعد حفظ کرنے کا خیال دل میں موجزن ہوا۔ چنانچہ اس شوق اور غرض سے حافظ غلام حیدر صاحب مرحوم جو ایک جید حافظ قرآن اور مسجد حوض والی کوٹ اندرون کے خطیب تھے، کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ ابھی پندرہ سہارے ہی حفظ کر پائے تھے کہ بیمار ہو گئے۔ سال بھر شدید بیمار رہے جس کی وجہ سے جسم کمزور اور حافظ کمزور ہو گیا۔ اسی لئے حفظ قرآن کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اس کے بعد راقم الحروف کے پاس دکان پر لوہارا کام سیکھتے رہے پھر چیننگ فیکٹری میں کام کرتے رہے۔ اسی دوران تھرو ڈکلاس انجینئر کا امتحان پاس کر لیا۔ پھر سیکنڈ کلاس انجینئر کا امتحان پاس کر کے انجینئر انچارج کی حیثیت سے متعدد چیننگ فیکٹریوں میں کام کرتے رہے۔

فیصل آباد ملازمت کے دوران اپنے چھوٹے بھائی حاجی محمد عین بکریو مل کر جھنگ وڈ پیر مشرکہ ایک قطعہ زمین خریدی جہاں احمد انجینئرنگ کے نام سے ایک ورکشاپ کی بنیاد ڈالی۔ یہاں دو سال تک کام کیا۔ اس کے بعد اس ورکشاپ کو اپنے بھائی کے حوالے کیا اور خود رائے وڈ وڈ پیر ایک ورکشاپ قائم کر لی۔ یہ زمین برادر حقیقی حاجی محمد رفیع کی ملکیت تھی۔ یہاں پر





الحاج میاں فضل الہی صاحب انجینئر

سخت محنت کی اور اتنا روپیہ کما لیا کہ ملتان روڈ پر چوکنگی کے سامنے اپنا ایک  
 کنال کا پلاٹ خرید کر ورکشاپ قائم کر لی۔ یہ جگہ کافی وسیع اور ملتان روڈ  
 پر ہونے کی وجہ سے ذرائع آمد و رفت کے لحاظ سے بھی آسان اور مفید تھی۔  
 اپنا رہائشی مکان بھی یہیں بنا لیا۔ خدا کے فضل و کرم سے کام کو اتنی وسعت  
 ہوئی کہ کراچی تک پھیل گیا۔ کراچی سے بڑے بڑے سائزا اور پریشرنگ کے بوائے  
 خرید کر لائے جاتے اور پھر مرمت کر کے انہیں فروخت کر دیا جاتا۔ پرانے  
 بوائے جو مرمت ہونے کے لئے آجاتے ان کی مرمت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔  
 اب کاروبار میں بڑی وسعت سے بیرونجات سے بھی بوائے کی ریپرنگ،  
 آرکیشن اور فننگ کا کام ہوتا رہتا ہے۔ کاروبار میں اللہ تعالیٰ نے خوب  
 برکت ڈال رکھی ہے۔ اپنی ورکشاپ میں نئی مشینری مثلاً فیڈ و اٹر پیپ، یلو  
 ڈاؤن والو، اسٹیم و اٹر کالم والو، آئل و گیس برنر بھی اپنی ورکشاپ میں  
 بناتے ہیں۔ بوائے ریپرنگ میں اتنی فنی مہارت رکھتے ہیں کہ لاہور کیا پنجاب  
 کیا غرضیکہ ملک بھر سے بوائے ریپرنگ کا کام آتا ہے۔ اور اس میدان  
 میں ان کا مد مقابل کوئی شاید ہی ہو۔

خداوند کریم نے انسان دوستی اور ہمدردی کا جذبہ ان کی طبیعت میں  
 کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ اپنے خاندان کے لئے ہمدردی اور غمگساری کے جذبہ  
 سے اس قدر متاثر ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید قدرت نے انہیں پیدا  
 ہی اسی لئے کیا ہے۔ خاندان والوں کو بھی ان کی ذات پر بڑا فخر ہے۔ والدین  
 کو بھی اپنے اس چہیتے، لادٹے اور معصوم چہرے والے بیٹے سے انتہائی

محبت اور شفقت تھی۔ ان کا یہ بیٹا بھی ایسا فرمانبرار تھا کہ والد صاحب کو ان کے بڑھاپے میں دو دفعہ اپنے ساتھ حج کروایا۔ والد صاحب سے محبت کی وجہ سے گھر بلو اور کاروباری معاملات میں ان سے ضرور مشورہ لیتے اور ان کی دعائیں لیتے۔ یہی وجہ تھی کہ والد صاحب نے اپنی رحلت کے وقت حاجی محمد شفیع صاحب کو خاص طور پر وصیت کی تھی کہ اپنے بھائی فضل الہی کا ہر معاملہ میں خیال رکھنا۔

سناوت میں بھی بہت آگے ہی مسجدوں کی تعمیر میں کافی حصہ لیتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اپنی رہائش گاہ کے قریب ہی چونگی ملتان روڈ سے متصل قبلہ والد بزرگوار کے نام پر ایک مسجد بنوائی ہے۔ والد بزرگوار کا مقدر شریف اپنے خرچ کثیر سے بڑے قبرستان سے متصل تعمیر کروایا ہے۔ دیگر رفاہ عامہ کے کاموں میں بھی مقدور بھر حصہ لیتے رہتے ہیں۔ ۱۹۸۲ء تک چار مرتبہ حرمین الشریفین کی زیارات سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا ہے یعنی حج مبارک کئے ہیں۔

دولت کی ریل پیل کے باوجود بھائی صاحب مذکور کا دل ایک سچے مسلمان کا سادل ہے۔ نہ غرور و تکبر ہے اور نہ تمکنت و وقار کی تملش نہ کروفر۔ طبیعت میں خدا ترسی، پاک بازی، عاجزی، انکساری، دین داری، لطافت طبع، نیک سیرت، نیک نیتی، نیک سرشت، نیک کردار جیسی صفات رچی بسی ہیں۔

خداوند کریم کی مہربانی سے ۱۹۸۲ء میں پانچویں مرتبہ حج کو گئے۔

۸۶  
 راقم کا افسوسناک الحاح ہے کہ اہل بیتؑ کے ساتھ  
 اس مرتبہ ان کے ہمراہ ان کی اہلیہ نواب بیگم الحاج محمد شفیع صاحب اور  
 ان کی اہلیہ کرم بیگم بھی شریک سفر حج تھے۔ ان کا اور حاجی محمد شفیع صاحب  
 کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک جان دو قالب والی بات ہے۔ والد صاحب  
 بولنصیحت کر گئے تھے موصوف اس نصیحت کو خوب نیاہ رسے ہیں۔ حاجی  
 فضل الہی کی بیماری کا معاملہ ہو یا ان کے مقدمات کا مسئلہ حتیٰ کہ کاروبار میں  
 بھی مدد و معاون اور پیش پیش رہتے ہیں۔ خوب نیاہ رسے ہیں۔



آپ نے ایک ٹرسٹ بنایا ہے جس کے ذریعے مسجدوں کی تعمیرات ،  
 رفاہی کاموں میں اعانت کرنا ، اسلامی کتب ، رسائل ، مقلدے وغیرہ خرید  
 کر عام لوگوں میں تقسیم کرنا ہے۔ اس ٹرسٹ کے ذریعے مستحق لوگوں کی اعانت  
 اور تقیموں ، بیواؤں کی ماہوار مالی مدد کی جاتی ہے۔ اس میں خاص کر قریبی غریب  
 رشتہ داروں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ ویسے بھی حاجی صاحب اپنے رشتہ داروں  
 سے ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں اور غریب رشتہ داروں کی وقتاً فوقتاً  
 مالی امداد کرتے رہتے ہیں۔ اپنے چچا امام دین کے لڑکے کی دو مرتبہ شادی  
 اپنے خرچ سے کی نیز محمد صادق کی لڑکی کی شادی کا سارا بوجھ اٹھایا اور  
 سارا انتظام اپنے ہی گھر میں کیا۔ بہت ہی نجیر انسان ہیں کسی ناوار رشتہ دار  
 کی بیماری کی صورت میں ہسپتال کا سارا خرچہ اپنی گہرہ سے خود ادا کر دیتے  
 ہیں۔ اہل علم علمائے حق کی خدمت کرنا، ان کے جلسوں کا انتظام اور تمام تر

خرچہ برداشت کرنا، جلسوں کی صدارت کرنا، علمائے حق کے لئے چھکے سے ان کی مدد کرنا وغیرہ وغیرہ ایسے کاموں میں بہت ہی پیش پیش رہتے ہیں۔ اللہ کے دیتے ہوئے مال کو ایسے نیک کاموں پر صرف کر کے سچ خوشی محسوس کرتے ہیں۔

### بھائیوں سے محبت

آپ اپنے بھائیوں سے بہت ہی حسن سلوک رکھتے ہیں۔ اگر کسی بھائی کو کوئی تکلیف پہنچے تو آپ بے چین ہو جاتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں راقم الحروف بیماری کی وجہ سے بہت ہی لاغر اور کمزور ہو گئے تو آپ میری حالت دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے۔ رَمَن کلینک جیل روڈ میں داخل کروایا اور رات دن میرے سر پر رہے۔ راقم الحروف کو جب کچھ افاقہ ہوا تو آپ فرحت سے کھل گئے۔ راقم الحروف یعنی میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ باپ جیسی خدمت کرتے ہیں۔ میں بھی ان کے حق میں بہت ہی دعائیں کرتا رہتا ہوں۔ حج کے موقع پر دوران سفر حج، کعبۃ اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر میں نے جتنی دعائیں ان کی صحت کے لیے مانگی ہیں شاید ہی بارگاہِ ایزدی میں کسی اور کے لیے اتنی دفعہ میرے ہاتھ اٹھے ہوں۔ میں نے اپنی کتاب سفر حج میں جگہ جگہ ان کی صحت کے لئے دعاؤں کا تذکرہ لکھا ہے۔

حاجی صاحب معاملہ فہمی اور ادراک و شعور کی دولت سے بھی مالا مال ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو نازلیست خوش و خرم رکھے۔ خداوند کریم ہم پر آپ کا سایہ ابد الابد تک قائم و دائم رکھے اور غریبوں کی داد رسی کا جو جذبہ اللہ



تعالے نے آپ کو ودیعت کیا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جائی و ساری رکھے۔ آمین! آمین! آمین! آمین!

اے اللہ! میرے عزیز برادر حاجی فضل الہی صاحب کی دینی و دنیائی زندگی کو کامران و کامیاب بنا اور ان کی مشکلیں آسان فرما۔ اے میرے رب! اے خالق کون و مکاں! اے غفور رحیم! اپنے پیارے محبوب حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل میرے گناہ اور میری خطائیں بھی معاف فرما۔ آمین!

دلوں کو مرکز ہر و وفا کر  
جسے نان جوئی بخشتی ہے تو نے  
خیرم کبریا سے آشنا کر  
اُسے بازوئے حید بھی عطا کر

### بیعت

آپ کو حضرت امام الاولیا شیخ اکبریت و التفسیر قطب الاقطاب مولانا احمد علی صاحب لاہوری فذکرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت کا شرف حاصل ہے۔ حضرت مولانا و سرشتنا کی نعلین کے مطابق دینی خدمات میں کما حقہ پیش پیش رہتے ہیں

آپ حضور والا کے بے حد عقیدت مند اور خادم ہیں وہی وجہ ہے کہ جو مسجد فاروقیہ والہن سکول لاہور کے قریب آپ کے برادر اصغر حاجی محمد حسن مرحوم نے والدہ صاحبہ مرحومہ کے ایصالِ ثواب کے لئے تعمیر کروائی

تھی، اس مسجد پر انھوں نے تقریباً ۶۰ - ۷۰ ہزار روپے خرچ کئے ہیں اور اس کثیر رقم کے خرچے سے مسجد کے پلستر وغیرہ اور خوب صورتی میں نمایاں اضافہ ہوا ہے اور اس مسجد کی حیثیت علاقہ بھر میں بالکل منفرد نظر آتی ہے۔

## اولاد

خداوند کریم نے آپ کو ۴ لڑکے اور پانچ لڑکیاں مرحمت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نہ صرف اولاد ہی سے نوازا بلکہ کثیر دولت بھی عطا کی اور یہ دولت حاجی فضل الہی صاحب کی شب و روز محنت شاقہ اور تگ و دو کا ثمرہ ہے۔ موصوف نے اپنی اولاد کو باحسن طریقہ تعلیم و تربیت کے زیور سے بھی آراستہ و پیراستہ کیا ہے۔ اولاد میں اب تک ایک لڑکا اور ایک لڑکی جو ابھی نابالغ ہیں کے سوا باقی سب کی شادیاں بھی کر چکے ہیں۔ آپ نے اپنے لڑکوں کو وہی کام سکھایا اور کروایا ہے جو خود کرتے ہیں۔ ایک والد ہونے کی حیثیت سے آپ پر دین اور دنیا کی جو ذمہ داریاں عائد ہوئیں انھوں نے انہیں خوب پورا کیا لیکن کچھ عرصہ سے تقدیر نے حاجی صاحب کے گھر پر ایسا تیر چلایا کہ یہ سننا لیتا ہوا گھر شکر سنجیوں کا گھوارا بن گیا اور شکوک و شبہات بڑھ گئے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان حالت میں جو ماں باپ کی آپس میں شکر کنجی اور تلخی کے سبب پیدا ہوئے تھے، اولاد بالکل غیر جانب دار رہتی لیکن ایسا نہ ہوا۔ اولاد صرف ماں کا ساتھ دینے لگی اور باپ کو سہ زنش کرنے اور مورد الزام ٹھہرانے لگی۔

اس طرح جلتی پرنٹل کا سا کام سونے لگا بالا آخر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بھابی صاحبہ کو طلاق ہو گئی۔ حاجی صاحب شوگر کے انتہائی مرض محض تھے اور انہیں اپنی خدمت کے لیے ایک ساتھی کی اشد ضرورت تھی۔ ان حالات میں انھوں نے اپنی ہی برادری کی ایک بیوہ عورت سے عقدِ ثانی کر لیا۔

نوٹ: زندگی کی یہ تلخ اور تاریک کہانی حاجی صاحب خود نوشت تحریر کر رہے ہیں جو تقریباً منظرِ عام پر آ جائے گی۔



اثر صحابی کے یہ چند اشعار جو حاجی صاحب موصوف پر بالکل فٹ آتے ہیں راقم الحروف ان کے لئے قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں جسارت کرتا ہے۔



دیانت، شرافت، محبت کے پیکر  
صداقت، عربیت، شجاعت کے پیکر



نفسِ مشکِ افسان بہاروں سے بڑھ کر  
چینی درختوں ستاروں سے بڑھ کر



نگاہیں نہ دھندلائیں دُورِ ہوس سے  
دلوں کے چمن پاک، ہوں خار و شمل سے

نہ منصب کا لاپس نہ سازش کا ڈر ہو  
فقط تیری رحمت پہ جن کی نظر ہو

○  
خود آگاہ — بیباک — بیدار انسان  
غریبوں — یتیموں کے غم خوار انسان

○  
نہ تن کی محبت نہ دھن کی محبت  
دلوں میں فقط ہو خدا کی محبت

○  
الہی! ہمیں ایسے انسان عطا کر

○ ○ ○

حاجی فضل الہی صاحب کی اولاد

لڑکے : حاجی فضل احمد محمد بشیر۔ بلال احمد۔ نثار احمد۔

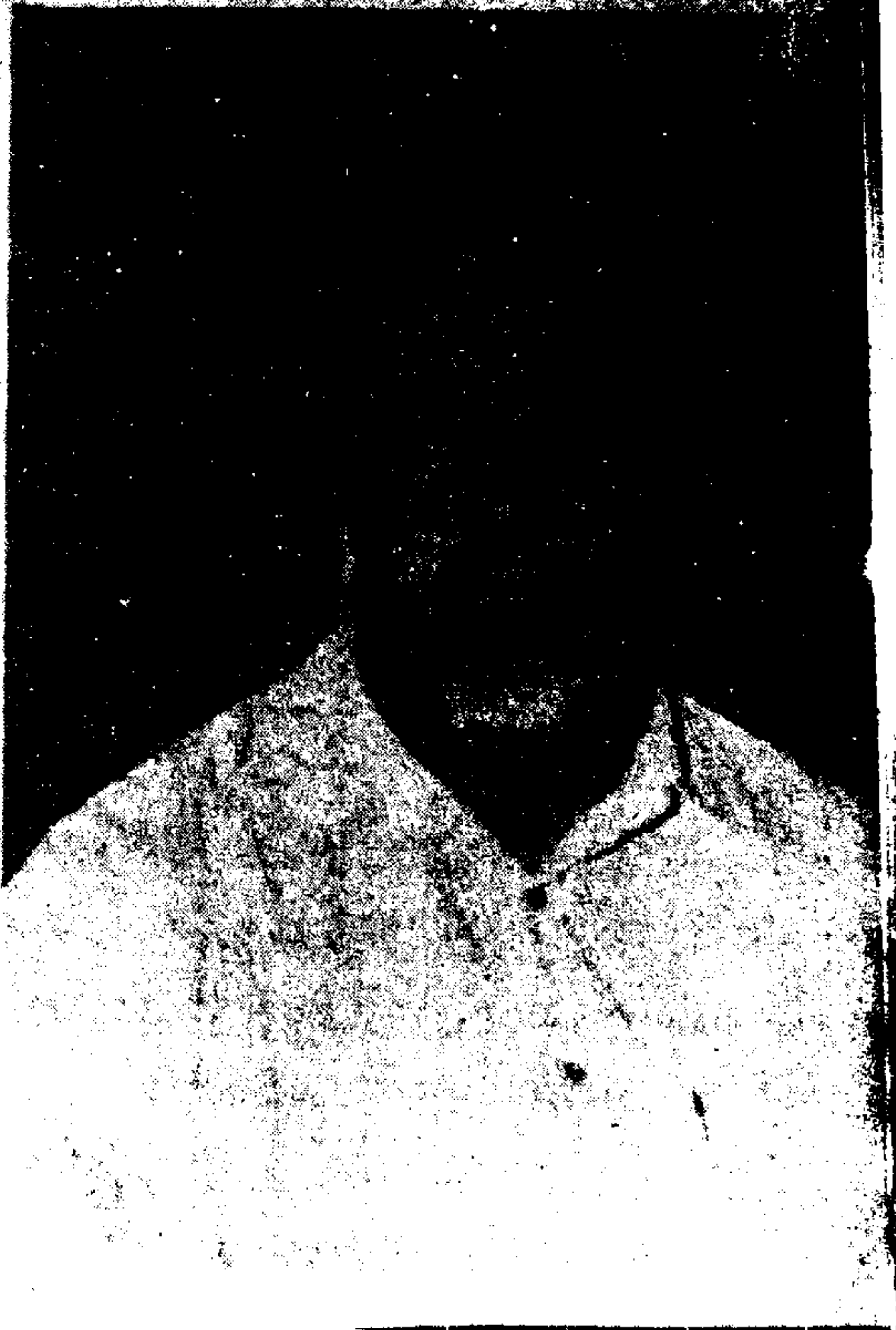
لڑکیاں : بشیرا بی بی۔ تسنیم بی بی۔ طاہرہ طیثہ۔

فرخندہ بی بی۔ زبیرہ بی بی۔

## ۶) احجاج میاں محمد حسین مرحوم

آپ نے قرآن مجید پڑھنے کے بعد اسلامیہ ہائی سکول قصور سے  
 میٹرک تک تعلیم پائی۔ پھر پڑے خرادوں پر کام سیکھتے رہے۔ اس کے  
 والد بزرگوار کی ورکشاپ مدینہ آئس فیکٹری کے منتقل خود مشینری  
 نصب کی اور کام کرتے رہے۔ یہاں اب چھوٹا بھائی محمد صدیق کام  
 سے۔ اسٹیم انجن اور بوائلر کا کام سیکھنے کا شوق پیدا ہوا تو راقم  
 ان کو یہ فن سکھانے کے لئے اوکارہ لے گیا اور وہاں ان کو کام  
 کے لئے بطور ٹرنٹر خراد یہ کی حیثیت سے ملازم کروادیا اور انہیں کام  
 میں ان دنوں اوکارہ کاٹن جیننگ فیکٹری میں ملازمت کرتا تھا۔  
 ملازمت راقم الحروف اسے انجینئرنگ کے امتحان کی تیاری کراتا رہا۔  
 حسین کی تعلیم اچھی تھی اور اس کے ساتھ ذہن بھی اچھا پایا تھا اس  
 بہت جلد انجینئرنگ کے تینوں امتحانات بیکے بعد دیگرے پاس کرنے  
 فیسٹ کلاس کا ڈپلومہ حاصل کرنے کے بعد لائل پور رفیصل آباد میں  
 انگریز کے تعاون سے ایٹیاٹک کیمیکل انڈسٹری کی آرکیشن اور فٹنگ  
 کی (یہ انگریز ایک غیر ملکی تھا)۔ اسی ملز کی برودکشن دگنی کرنے کے  
 مشینری بنا کر فٹنگ کی۔ اسی ملز میں تین بوائلر کی آرکیشن بھی کی۔ ملز  
 تمام مشینری کی مرمت کا کام ورکشاپ میں کراتے رہے۔ اس اثنا





الحاج میاں محمد حسین صاحب مرحوم (انجمنیہ)

مل مارکان نے آپ کی کا کردگی سے خوش ہو کر آپ کو اپنے خرچہ پر چھ ماہ  
 بارہ سال تک اس ملز میں ملازمت کی اور ملازمت چھوڑ کر اپنے تحقیقی  
 حاجی فضل الہی کے ساتھ شراکت سے جھنگ روڈ پر میاں احمد انجینئرنگ  
 نام سے ایک ورکشاپ قائم کی اور اس ورکشاپ میں کام کرنا شروع کر دیا  
 پہلے صرف یوٹیلٹی ریٹرننگ کا کام کرتے رہے۔ آہستہ آہستہ یوٹیلٹی ریٹرننگ  
 شروع کئے مثلاً بلو ڈاؤن، والو انگری وولے، گن میٹل کے مشین لیسن  
 سٹیل کے۔ اسٹیم اینڈ واٹر گیج والو۔ کاکٹر، سٹیم ٹریپ، آئل اور سٹیم  
 گیس برنرز جوڑے کامیاب ثابت ہوئے۔ اس کے بعد ورکشاپ کے  
 اوزاروں میں اضافہ کیا اور سائٹرنگ مشین تیار کرنے لگے۔ مشین میں آلو  
 سٹم بھی لگائے۔ اسی مشین میں اپنے بنے ہوئے اسٹیم ٹریپ اور سٹیم  
 بھی لگائے۔ یہ سائٹرنگ مشینیں گوچرہ، ملتان اور فیصل آباد میں لگی ہوئی  
 ہیں جو بڑی کامیابی سے چل رہی ہیں۔ اسی طرح نئی مشینیں بنا کر آپ  
 ملک و قوم کی بڑی خدمت کی۔ ایسی مشینری غیر ممالک سے منگوانے پر جو  
 خرچ ہوتا ہے۔ ان کی بچت بھی ہوئی اور ملک کا صنعت کار جس کو یا  
 مشینری درآمد کرنے پر محنت اٹھانی پڑتی ہے اور اپنے قیمتی وقت  
 ضیاع بھی کرتا پڑتا ہے اسے بھی ان تکالیف سے نجات ملی۔ اس  
 علاوہ آئس اور کولڈ اسٹوریج مشینری بھی تیار کرتے رہے۔  
 ۲۴ سال کی عمر میں آپ کو شوگر جیسے موزی مرض نے آکھیرا۔ بیماری  
 طویل کھینچی گئی۔ انجام کار دایں پاؤں پر ورم آ گیا۔ مرض بڑھتا گیا جوں

کی پنڈلی متاثر ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ بالآخر ڈاکٹر محمد انور کی ہسپتال  
 لے کے مشورہ سے پاؤں کو ڈراسی پنڈلی کے ساتھ کٹوا دیا۔ زخم ٹھیک  
 ہونے پر راولپنڈی سے مصنوعی پاؤں مع پنڈلی کے لگوایا اور بقیہ زندگی  
 کا طرح گزار دی۔

بہر حال وکٹاپ کا کام چلتا رہا۔ بھاری مشینری بنانی بند کر دی پسیر  
 میں بنانے پر زیادہ توجہ دینے لگے۔ ان کے ہرے سے منانت ،  
 مار اور سنجیدگی ٹھیکتی تھی۔ سائنس مذاق سے وہ مخطوط بھی ہوتے اور  
 کرا بھی دیتے مگر اپنی خاص خاموشی طبع کے باعث خود مذاق سے ہمیشہ  
 بیز کرتے۔ وہ صاف گوہتے شناسنگی کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوڑتے۔  
 ہمیشہ حق گوئی سے کام لیتے۔ اپنی رائے کو بغیر کسی لگی لپی کے کہہ جاتے۔  
 ہی کبھی یہ صاف گوئی سننے والوں پر گراں بھی گزرتی مگر بالآخر سب کو  
 ان کے خلوص و صداقت پر تسلیم خم کرنا پڑتا۔ ہیں (راقم الحروف) نے  
 اپنے اس بھائی کے ساتھ اکٹھے ملازمت میں کافی وقت گزارا ہے ،  
 میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا اور سمجھا ہے۔ ان کی  
 دو اعتمادی لفظیں کا درجہ رکھتی تھی۔ وہ جس بات پر اڑ جاتے انہیں اس سے  
 مانا دشوار ہوتا تھا۔ وہ جو بھی سوچتے نیک نیتی سے سوچتے اسی لئے  
 اپنی رائے کو صاف سمجھتے۔ قدرت نے آپ کو ایک اضطراری کیفیت  
 عطا کی تھی۔ زندگی میں جب بھی کوئی بڑی مشکل پیش آئی تو انہوں نے بڑے  
 مہر و تحمل سے اس کا مقابلہ کیا۔ ہمت و استقلال اور لفظیں کا مجسمہ تھے جب

شوگر جیسی مُوزی مرض کی وجہ سے پاؤں کٹ گیا تو اس وقت بھی صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اللہ کی بارگاہ میں سب سے بڑا شکر ادا کرتے۔ بہر حال میں راضی برضا رہتے۔ اگر کسی کام میں کامیابی ہوتی تو خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے اور بر ملا کہتے کہ یہ اس کی دین سے جو مجھ جیسے گنہگار کو بھی دینا ہے، نوازنا ہے۔ کسی تکلیف یا محرومی کی صورت میں تائب ہوتے اور کہتے، اللہ مجھے بخشے اور رحم کرے مجھ پر۔ اللہ میری تقصیریں معاف کرے۔

ابتداء ہی سے صوم و صلوات کے پابند تھے۔ ایک پاؤں کی عدم موجودگی میں بھی نماز پابندی سے ادا کرنے رہے۔ عمر بھر پاک بازی و طہارت کا اتنا خیال رکھا کہ ایک سی وضو سے دو یا تین نمازیں ادا کرتے رہے۔ آپ کی ذات میں زہد و تقدس، فہم و فراست، تیک نیتی، دیانت داری، اچھی عادات و اخلاق اور اچھے افعال و کردار جیسے محاسن پائے جاتے تھے جو بندگانِ خدا کا خاصہ ہیں۔ روحانیت میں آپ حضرت مولانا السید احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ ساری عمر خود بھی اسلام کے شیدائی رہے اور دوسروں کو بھی اسلام پر چلنے کی تلقین کرتے رہے۔ سخاوت میں اتنے سخی تھے کہ جو بھی سوالی آباؤ اجداد کا فیصل آباد میں منعقد مسجدیں آپ کے چندہ سے تعمیر ہوئیں۔ راقم الحروف حسب مدینہ کالونی والٹن لاہور میں رہائش پذیر تھا تو وہاں کی جامع مسجد فاروقیہ کی پوری چھت اپنے خرچہ پر ڈالوائی۔ اسی مسجد میں پانچ پنکھے چھت والے

نیز پانی کے لئے سموٹر پیپ بھی لگوائی۔ یہ سب کام مہری و ساطت سے مکمل پذیر ہوا۔ یہ مسجد ۱۹۷۲ء میں تعمیر ہوئی۔ اس کی تعمیر میں آپ کا کل حصہ ۲۲ ہزار روپے ہے۔

کئی مہینوں، بیواؤں کی سرپرستی فرماتے اور ان کو پابندی سے کچھ نہ کچھ ادا کرتے رہتے۔ سید محمد اشرف صاحب ہمدانی لامل پوری سے بہت ہی محبت تھی اور شاہ صاحب بھی آپ سے بہت شفقت فرماتے تھے۔ اگر کوئی عرب شریف کا باشندہ آپ سے ملنے آتا تو آپ بڑے ہی احترام اور محبت سے ملتے۔ جاتی دفعہ کچھ رقم کی صورت میں اس کی مدد کرتے، دعائیں کرواتے اور پھر ملنے کی تاکید کرتے۔ والد صاحب کی رحلت کے بعد ان کے نام سے حج کراتے رہے۔ نیز عید الاضحیٰ کے موقع پر والدہ صاحبہ کے ایصالِ ثواب کے لئے ان کی طرف سے تادمِ زیست قربانی کرتے رہے۔ ہاتھ کے بہت ہی سخی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین مرتبہ حرمین الشرفین کی زیارات سے مستفید فرمایا۔ بہت ہی خوش نصیب اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے تھے۔ اپنی زندگی میں خلقِ خدا کو بہت ہی فائدہ اٹھایا۔ اپنے عزیز رشتہ دار، اقربا اور اپنے خاندان کو بہت فائدہ پہنچایا۔ حقوق اللہ و حقوق العباد کو خوب نبھایا۔

خَالِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مِنَ الْبَيْتِ

ہم سب بھائیوں نے متفقہ طور پر مدینہ آنس فیکٹری کی تنصیب کا کام آپ کو صوف کو سونپ دیا تو آپ نے بہت ہی محنت و شاقہ برداشت



کر کے فیکر طبری کی تنصیب کا کام بہت احسن طریقہ سے سرانجام دیا۔

فیکر طبری کے افتتاح کے مبارک موقع پر راقم الحروف نے تلمیذیت نامہ  
و دعائیہ القاطب پیش کر کے آپ کی قدرت کو سراہا۔ وہ منظوم دعائیں مندرجہ  
ذیل ہیں۔

## منظوم دعائیں

خدا یا اے اولے و آخر تیری عنایت سے ہوا  
اور دینے و دنیا میں تیرے ہی سے برکت ہو

<p>خراب حال ہوں آفات تیری ہی رحمت ہو بدہ جمعیتِ خاطر! نہ کوئی رحمت ہو برائے مقصد! نہیں مسرت ہو والد ماجد کی مستی تا ابد سلامت ہو</p>	<p>میں آیا در پیرے ہوں بحال بجز و نیاز ہو ایہ سب کام میرے مشورہ سے شروع دعائے نور محمد کا یہ اثر ہے لو ازلے حیاتِ خضر کر عطا اپنی رحمت سے</p>
--	---

وہ مخلوق کا مجسمہ ، خلوص کا پیکر !

حامی دین ، عزیز من ، ان پر تیری رحمت ہو

<p>عزیز رو بہ ترقی تیری سعادت ہو ہمیشہ رو بہ ترقی تیری دکات ہو ہر ہر قدم پر خدا یا تیری حمایت ہو ہمکے حال پر ہر دم تیری عنایت ہو</p>	<p>مراد شعر گذشتہ سے ہے محمد حسینؑ نہ ہو گھٹی تیرے دل پر غبارِ رنج و الم ہمیں نگاہ کسی پر خدا یا تیرے بغیر ہے صرف تیرے بھرستہ یہ سلسلہ طویل</p>
--	---

۱۔ حضرت قبلہ والد ماجد صاحب ۲۔ راقم الحروف محمد نواز ۳۔ والد ماجد حضرت حاجی محمد حسین

ز دستِ غیبِ عطا کر اے خُدا!  
نہ تیری ذات سے ہم کو کبھی شکایت ہو



## ایک منظوم خط

راقم الحروف نے یہ خط اس وقت تحریر کیا جب کہ برادرانہ عزیز حاجی  
سینے و حاجی فضل الہی صاحبان پہلے دفعہ حرمین الشریفین میں حج  
کی سعادت حاصل کرنے کیلئے مقیم تھے

فہم ہو تم پہلے اسلام کی سنت سے  
نا ہوں دعائیں بھائی پھر فرطِ محبت سے  
مقبول دعائیں ہوں سب دورِ بلائیں ہوں  
لے آئے خُدا تم کو اب خیر سے عزت سے

نت کار سے سایہ اور ٹرھتا ہی رہے پایہ  
وقتِ خدا رکھے آسائش و صحت سے  
راضی ہو خُدا تم سے شیطان ہو جُدا تم سے  
بہرینہ رہے سینہ ایمان کی دولت سے  
سلوں کی لگیں چھڑیاں خوشیوں سے کٹیں گھڑیاں  
عام کی بارش ہو خالق کی عنایت سے

مخلوق پہ شفقت ہو آنکھوں میں عنایت ہو

مہمور ہو دل تیرا خالق کی محبت سے

مخدوم ہو دنیا کے پردین کے خادم

سب شان ہے مسلم کی اسلام کی شوکت

بِسْبِ فَضْلِ خُدا ہو گا اُمید رکھو قائم

گھبرا نہ کبھی جانا اس سفر طوالت سے

اللہ نے اگر چاہا رحمت کی گھڑی

ہونٹوں پہ خوشی ہوگی پھر جوشِ مسرت

اس وقت دعا کرنا صد شکر ادا کرنا

فارغ ہوں جب حج سے اللہ کی عنایت سے

گلشن پہ پھلے پھولے ہر طرح مبارک

آتے ہی بھرے گودی اولاد کی نعمت

بھائیوں کی محبت ہے نوا<sup>بلہ</sup> کی فطرت میں

ہو خاتمہ اسی پر اللہ کی نصرت سے



اے راقم الحروف و برادرِ اکبر حاجی محمد حسین صاحب سلمہ

## رحلت

گڈری کا لعل : حاجی محمد حسین مرحوم ہو گئے۔ حاجی صاحب کو مرحوم وقت دل پر جو کچھ بیت رہی ہے اس کا بیان الفاظ میں ممکن نہیں۔ یوں دنیا میں سینکڑوں لوگ پیدا ہوتے ہیں اور سینکڑوں ہی مر جاتے ہیں، حاجی صاحب مذکور جیسے انسان روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ اور کوئی انسان اس دنیا سے اٹھتا ہے تو اپنے پیچھے لا تعداد چاہنے والوں کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ جاتا ہے اور اس کے پیاروں کے پاس صرف یادیں باقی رہ جاتی ہیں۔

حاجی صاحب کی عمر نے ابھی ۴۸ بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ خدا جانے کس رنگ گئی کہ خود تو اللہ کو پیارے ہو گئے اور اپنے پیچھے رونے والوں کی طویل فہرست چھوڑ گئے۔ یہ بھی تو خیال نہ کیا کہ نعمیت باپ پر کیا بیٹے بیوی، دو بیٹوں اور تین بیٹیوں پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ حاجی صاحب انداز میں خلا چھوڑ گئے ہیں، مدتوں پورا نہ ہو سکے گا۔ آپ کے انتقال وقع پر ہمارے والد حضرت بابا نور محمد صاحب جو کہ بچے دین دار بزرگ تھے بیرو استقلال دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ ان کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا کہ انی امانت تھی اس نے لے لی۔ حضرت قبلہ والد صاحب اپنے خاندان دوسرے لواحقین کو صبر کی تلقین کئے جاتے تھے۔ بہر حال مرحوم بیٹھا یوں کے مالک تھے۔ مرحوم نہایت خلیق، ملنسار اور ہمدرد انسان تھے۔ عزت، معاملہ فہمی اور صاحب الرائے کے لحاظ سے نہایت بہتر انسان

آپ ۴۸ سال کی عمر میں شوگر جیسے مُوزی مرض میں مبتلا ہو گئے اور  
 مرض میں تقریباً ۲ دن کی تکلیف کے بعد اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے  
 کی اچانک اور قبل از وقت رحلت سے تمام خاندان پر قیامت ٹوٹ پڑی  
 مگر موت کا وقت اٹل اور معین ہے جو کسی صوت میں بھی ٹل نہیں سکتا۔ بنا  
 سماجی صاحب مرحوم کے جدِ خاکی کو مدینہ اُنس نیکڑی تصور لایا گیا اور  
 اصغر حاجی محمد شفیع صاحب نے غسل دیا۔ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب  
 ہمدانی ان کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لئے مفضل آباد سے تشریف لائے۔  
 کے سیاسی، مذہبی اور کاروباری حضرات کی کثیر تعداد نے نمازِ جنازہ میں شرکت  
 کی اور مرحوم کی وصیت کے مطابق والدہ ماجدہ کے قدموں میں سپردِ خاک  
 کیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

کون سا وفا پرور اُٹھ گیا زمانہ سے  
 ہر عزیز ہے تالان ہر حبیب ہے گریاں  
 اب نہ کوئی ملے گا محمد حسین جیسا  
 نیک سیرت نیک دل سخی انساں  
 مکھڑے اے قلم تاریخ مرگ ناگہانی کی  
 بلے اجہاں سے اُٹھ گئے محمد حسین کہاں

اولاد: لڑکے: حاجی ارشاد احمد مشتاق احمد۔ فاروق احمد  
 لڑکیاں: جمیلہ بی بی، صدیقہ بی بی۔

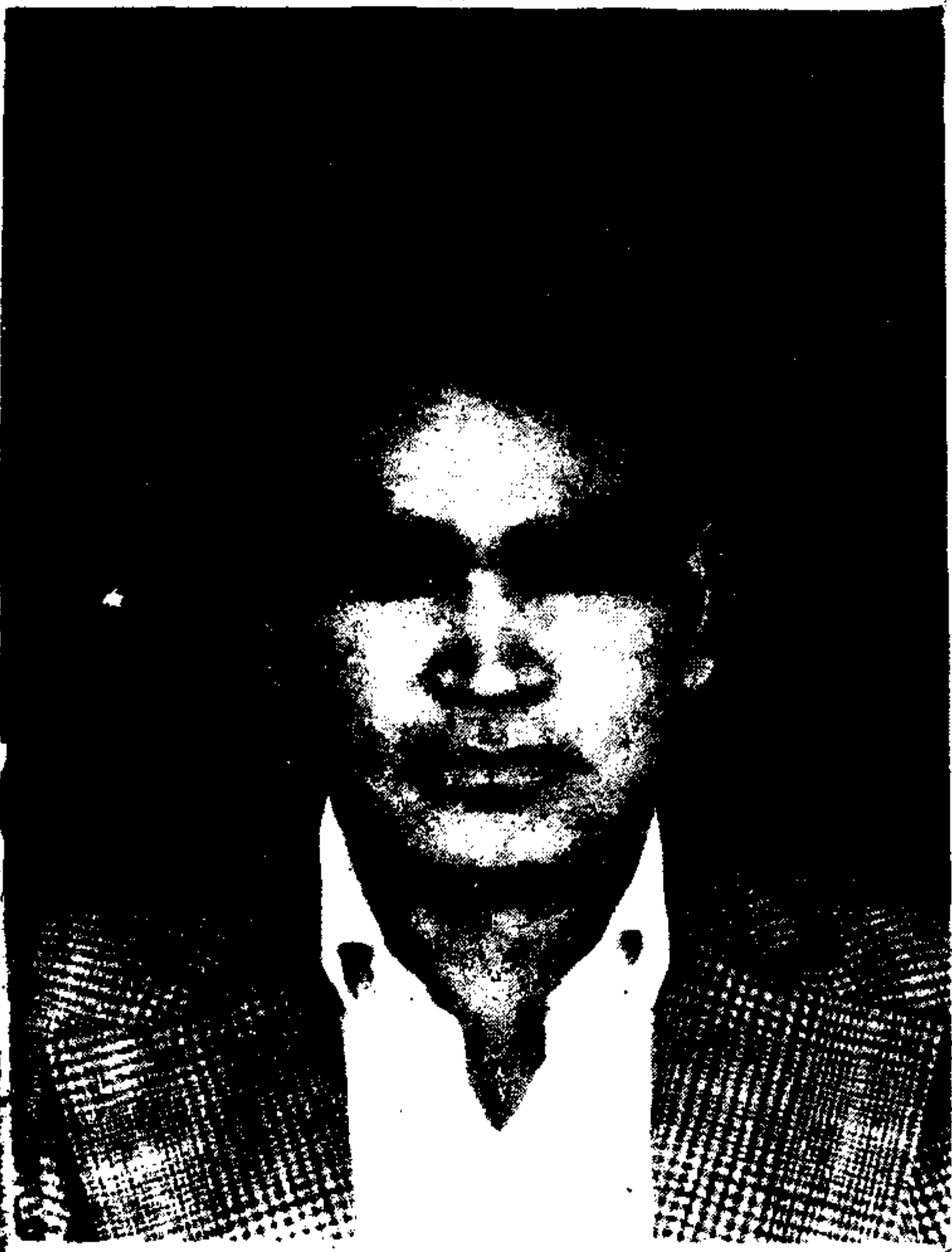


# میاں محمد حسن

⑤

آپ جب پانچ برس کے ہوئے تو اسلامیہ پرائمری سکول قصور میں داخل کرا دیے گئے۔ قرآن مجید بھی پڑھتے رہے۔ پرائمری پاس کرنے کے بعد اپنے بھائی محمد حسین کے پاس خراوشین کا کام سیکھتے رہے۔ تقریباً اس سال خراوشین کا کام میاں محمد جمال ریوے روڈ قصور کی ورکشاپ میں کرنے کے بعد اپنے والد بزرگوار کی ورکشاپ مریٹھ آئس فیکٹری کے متصل کچھ عرصہ کام کرتے رہے۔ اس اثنا میں یوٹیلٹی انجینئر کے امتحان کی تیاری بھی کرتے رہے۔ چنانچہ امتحان میں داخلہ لیا اور کامیاب ہو گئے۔ انجینئر کا ڈپلومہ حاصل کرنے کے بعد آپ لاہور کیمیکل اینڈ فارموسیوٹیکل پلانٹ واقع لاہور میں تعینات ہو گئے۔ یہاں یوٹیلٹی انجینئر ہونے کے علاوہ گلوکوز پلانٹ کے سپروائزر بھی ہیں۔ بڑی محنت اور دیانتداری سے کام کر رہے ہیں۔ ۱۹۶۶ء سے یہیں پر کام کر رہے ہیں۔ بہت ہی محنتی، دیانت دار اور بارسوخ شخصیت کے مالک ہیں۔ اپنے مکان کے متصل اپنی ایک ورکشاپ کی آپ خود نگرانی کرتے ہیں۔ ان کے لڑکے اس ورکشاپ میں کام کرتے ہیں۔ سلائی مشین کے پیرزہ جات تیار کرنے میں آپ کو کافی شہرت اور تجربہ ہے جس کی وجہ سے سلائی مشین کی مارکیٹ میں آپ کو کافی شہرت حاصل ہے۔ آپ بہت ہی دیانتدار، ملنسار اور بااخلاق آدمی ہیں۔ برادری اور عزیز و اقارب میں بہت ہی ہر دل عزیز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے آسائش و آرام دیا ہوا ہے۔ بہت ہی خوش باش زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ کی اولاد میں ہم لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔

اولاد : لڑکے۔ بابر محی الدین، محمد ایوب، محمد یوسف۔ بھالیوں طہیر الدین، لڑکیاں۔ بلعیت، نسیم، نسیم بیگم۔ روبینہ بی بی۔



میاں محمد حسن صاحب انجمنیہ

# الحاج محمد شفیع

۸

آپ نے قرآن پاک مولانا عبدالرحمن صاحب خطیب اعظم جامع مسجد رحمانیہ  
ڈٹ فتحپور میں پڑھا۔ بعد میں اسلامیہ سکول میں حصول تعلیم کے  
لئے بٹھا دیتے گئے۔ پچھن اور لڑکپن کی وجہ سے انڈر میٹر تک ہی تعلیم حاصل  
سکے۔ اس کے بعد چھوٹے ٹیچر اور مشینوں پر سلائی مشینوں کے پرنس بنانے  
سیکھے اور اپنے خراج لگا کر کام کرتے رہے۔

شہر میں جب بھی کوئی اسلامی تبلیغی جلسہ ہوتا تو اس میں خود اور دوست  
خواب کو لے کر ضرور شرکت کرتے رہے ہیں۔ طبیعت کا میدان سیاست کی  
طرف زیادہ مائل رہا ہے۔ شہر میں سیاسی جلسوں کا طومار تھا۔ سیاسی طبیعت  
کی وجہ سے شاید ہی کوئی ایسا جلسہ ہوتا جس میں آپ مع اپنے اہل خانہ کے  
شریک نہ ہوتے ہوں۔ اپنے دوستوں سے جب بھی سیاسی گفتگو کی ہے  
تو اپنی سیاسی بصیرت کا لوہا منوا کر ہی دم لیا ہے۔ یعنی دوسروں کو قائل کر  
لیا۔ کوئی سیاسی مجلس ہو، مذہبی ہو یا کسی انتظامی امور کے متعلق حکام شہر  
کی میٹنگ ہو، اب بھی کسی ایسی مجلس میں اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملے تو آپ کی  
رائے کو صائب ہی سمجھا جاتا ہے۔ بہت ہی ذہین اور با شعور آدمی ہیں۔

پاکستان بننے کے بعد جب مسند حکومت پر  
سیاسی زندگی کا آغاز فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صدارت کے عہدے پر

الحاج محمد شفیع صاحب



فائز ہوئے تو انھوں نے ملک میں جہاں اور بہت سی اصلاحات مثلاً زرعی  
اصلاحات، بڑے بڑے پانی کے ڈیم، گھریلو صنعتوں کا فروغ، معاشرتی ہیرو  
کے شعبے، تعلیم بالغاں وغیرہ نافذ کیں وہاں بنیادی جمہوریت کا نظام بھی  
قائم کر کے جاری و ساری کیا۔ اس نظام کے تحت عوام کو شریک حکومت  
کر کے ملک بھر میں ترقیاتی پروگرام اور ان کی تکمیل کرتا مقصود تھا۔ خانہ  
حاجی صاحب مذکور نے بھی حکومت کی طرف سے اس نظام کے نافذ ہونے  
کے اعلان کا بغور جائزہ لیا اور بنیادی جمہوریت کے نظام میں شامل ہونے  
کا اعلان کر دیا۔ ملک بھر میں انتخابات کے ذریعے نمائندے منتخب کرنے  
کے لئے حکومت نے الیکشن کمشنر مقرر کر دیئے تاکہ یہ الیکشن کمشنر ہر شہر  
اور ہر قصبہ میں انتخابات کروا کر نمائندے منتخب کرائیں۔ حاجی محمد رفیع صاحب  
نے بھی اس نظام کی افادیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے حلقہ کی نمائندگی  
کے لئے درخواست دے دی۔ چنانچہ الیکشن کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ حاجی  
صاحب کے مد مقابل ایک ڈاکٹر کے لڑکے وکیل تھے اور کافی شہرت  
کے مالک تھے۔ اس پر لطف یہ کہ وہ کمبوہ برادری سے تعلق رکھتے تھے اور  
اس حلقہ میں اکثریت کمبوہ برادری کی تھی۔

سارے شہر کی نظر اس الیکشن پر مرکوز تھیں۔ وہ مثال جو مشہور ہے  
کہ خداوند کریم چڑیوں سے باز مر و اسکتا ہے اس الیکشن پر صادق آتی ہے  
کہاں ایک طرف ڈاکٹر کے لڑکے وکیل اور کہاں ایک غریب زادہ۔  
چنانچہ الیکشن ہوا اور خداوند کریم نے حاجی صاحب کو کامیابی و کامرانی



سے ہمکنار کیا۔

کونسلر منتخب ہونے پر حاجی صاحب مذکور نے اپنے علاقہ کی فلاح و بہبود کے لئے شب و روز محنت شاقہ سے کام کیا اور شہرت دوام حاصل کی۔ یونین کمیٹی قصور کے چیرمین بھی رہے۔ اس کے بعد آپ نے الیکشن میں بذات خود حصہ نہ لیا البتہ ممبر گزرن گئے۔ آپ جس حلقہ سے جس ممبر کو چاہیں منتخب کرادیں۔ شہر کے اکثر و بیشتر آپ کے اشارے پر الیکشن کھتے ہیں۔ اکثر لوگ آپس میں لیں دین اور لڑائی جھگڑے کے فیصلے آپ سے کراتے رہتے ہیں۔ آپ بطریق احسن لوگوں کے درمیان فیصلے پٹاتے رہتے ہیں۔ جب انتظامیہ کی مشینری کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی اور معاملہ کی پیچیدگیوں سے تنگ آجاتی ہے تو اس قسم کا فیصلہ حاجی صاحب مذکور کے پاس بھیج دیتی ہے۔ حاجی صاحب اس قدر منصفانہ فیصلہ کرتے ہیں کہ دونوں فریق اپنی اپنی جگہ مطمئن ہو جاتے ہیں اور انتظامیہ بھی آپ کے فیصلہ پر اطمینان کا اظہار کرتی ہے۔

## تحریک ختم نبوت

پاکستان میں جب یہ تحریک ختم نبوت (۱۹۵۳ء تا ۱۹۷۴ء) چلی تو اس کے اثرات نے قصور کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ان حالات میں حاجی صاحب مذکور کربین سے بیٹھتے واپس بھتے۔ چنانچہ آپ نے حاجی جوہری فضل حسین کو اور مولانا مولوی حافظ اصغر صاحب فاضل جامعہ

رضویہ لائل پور کو اپنے ساتھ ملایا۔ قصور شہر کے گونے گونے اور گرد و نواح  
 کے قریب قریب میں پھر گئے اور ختم نبوت کانفرنس کے جلسے کراتے رہے  
 ان جلسوں میں آپ خود بھی تقریریں کرتے۔ کسی جلسہ میں آپ صدر جلسہ  
 ہوتے تو کسی جلسہ میں مہمان خصوصی ہوتے۔ آخری تقریر آپ کی ہی ہوتی  
 جب تک یہ تحریک ختم نہ ہوگئی، چین سے نہ بیٹھے، روزانہ کسی نہ کسی جگہ  
 جلسہ ضرور ہوتا۔ آپ اس سلسلے میں کئی کئی دن تک گھر نہ آتے حتیٰ کہ  
 تحریک کامیاب ہوگئی اور قادیانی کیفر و کردار کو پہنچ گئے۔ قادیانی ملک  
 و ملت کے نڈار، اسلام کے دشمن اور درحقیقت نبوتِ محمدیؐ کے خلاف  
 ایک سازش تھی۔ اب یہ شیطانی ٹولہ اقلیت قرار دیا جا چکا ہے۔  
 اب بھی قصور شہر و دیہات میں جہاں کہیں بھی اہل سنت کا جلسہ  
 ہو آپ کی صدارت میں ہوتا ہے۔ آپ اعلیٰ درجہ کے منتظم، ذہین،  
 حاضر دماغ اور اعلیٰ اخلاقی کردار کے مالک ہیں۔ خداوند کریم نے  
 اوصافِ حمیدہ سے آپ کو متصف کیا ہے۔ مذہبی سوجھ بوجھ میں بھی  
 کافی دسترس رکھتے ہیں۔ بڑے بڑے دینی مسائل میں بھرپور حل کر دیتے  
 ہیں۔ علمائے سوم (نیم ملاں) جن کا علم کلی روٹی یا ایک دو کتابوں تک  
 محدود ہے یا ایک دو حدیثیں یاد کر کے منہ رسولؐ پر بیٹھ کر خوب ایلنگ  
 کرتے ہیں، ان کی خوب خبر لیتے ہیں۔ نیز قصور کے ایک بنیادی شیخ  
 الاحادیث سے دینی مسائل پر مناظرہ کر کے ان کے علم کی قلعی کھول کر  
 ان کو چھٹی کا دودھ یا دولا چکے ہیں۔ ان کو لا جواب ایسا کیا کہ کاتو تو

بدن میں لہو نہیں۔ صم بکم ہو کر رہ گئے۔ قانونی باتوں میں نصف سے زیادہ وکیل اور سیاست میں بڑے بڑے جگادری قسم کے لوگ ان کا لوہا مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نیک اور صالح قسم کا دماغ ودیعت کر رکھا ہے۔

### حجاز مقدس کا سفر

آپ ۱۹۸۳ء تک تین بار حرمین الشریفین کی زیارات سے مستفید ہو چکے ہیں۔ ۱۹۷۱ء اور ۱۹۸۳ء میں حج اکبر سے مشرف ہو چکے ہیں۔ آپ کا حلقہ اجاب کافی وسیع ہے۔ مدینہ آنس فیکٹری پر اجاب کا تانا بندھا رہتا ہے۔ ہر قسم کے لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے جن سے مشورے لیتے رہتے ہیں۔ ان مصروفیات کے باوجود آپ کئی ایک انجمنوں اور سوسائٹیوں کی معاونت بھی کرتے ہیں۔ مثلاً آنس پلانٹ فیکٹری اونرز ایسوسی ایشن کے جنرل سیکرٹری، آنس فیکٹریوں کی چکنگ، سواد اعظم پنجاب کے جنرل سیکرٹری اور جامع مسجد رحمانیہ کوٹ فتح دین خاں قصور کی انتظامیہ کے معاون بھی ہیں۔

### بیعت

آپ سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ شیخ المشائخ، شیخ التفسیر، امام الاولیاء قطب الاقطاب حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کو روحانیت میں بہت بڑا مقام حاصل ہے، کے مرید ہیں۔ حضرت والا

رحمۃ اللہ علیہ نے کمال شفقت سے حاجی صاحب موصوف کو سلسلہ قادیان  
 میں بیعت فرما کر اپنی شفقت سے نوازا اور ذکر و اذکار کی تعلیم بھی کرا  
 دی۔ حضرت اپنے وقت کے ایک جید عالم ہونے کے ساتھ کمال و  
 اکل ولی اللہ اور شیخ وقت تھے۔ حضرت قبلہ عالم اپنی زندگی میں ہر مہینہ  
 کی آخری جمعرات کو ایک مجلس ذکر کا اہتمام کیا کرتے تھے جس میں سلسلہ  
 قادریہ کے مطابق ذکر و اذکار ہوتا اور بعد میں قرآن پاک کی ایک آیت  
 پڑھ کر اس کا ترجمہ و تفسیر بیان ہوتی۔ یہ مجلس ذکر آپ کے وصال کے  
 بعد بھی آپ کے جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ اور صاحب  
 مظلہ کی زیر نگرانی یا قاعدہ طور پر ہوتی ہے۔ مجلس ذکر کے بعد جب تقریب  
 اختتام پذیر ہوتی ہے تو بارگاہِ ایزدی میں ایک خاص دعا ہوتی ہے۔ اس  
 مجلس ذکر اور دعائیں مقامی لوگوں کے علاوہ بیرون جات کے لوگ بھی  
 شامل ہو کر ثوابِ آئین حاصل کرتے ہیں۔ دعا سے کہ یہ سلسلہ قیامت تک  
 جاری و ساری ہے اور ہم تشنگانِ علم مجلس ذکر کی برکات سے مستفید  
 ہوتے رہیں۔ آمین! تم آمینے!

یہاں یہ تذکرہ بھی ضروری ہے کہ جہاں حاجی محمد شفیع کی ذات سے  
 دوست احباب فائدہ اٹھا رہے وہاں وہ اپنے خاندان کے افراد کے  
 اڑے وقت میں کام آتے ہیں۔ خاندان میں جس بھائی کو بھی مشکل وقت  
 پڑا، حاجی صاحب موصوف نے تن من دھن سے اس کی مدد کرنا اپنا  
 اولین سمجھا۔ وہ اپنی جان کو دھال بنا کر اپنے بھائیوں کے ہر مشکل وقت

ہیں پیش پیش رہتے ہیں۔ حق کا ساتھ ہمیشہ سے دیتے چلے آ رہے ہیں۔ یہ کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ وہ اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر سچائی کے رستے پر گامزن رہتے ہیں۔ وہ اپنے عزم کا پکا اور وعدے کا سچا انسان ہے۔ خداوند کریم اس کی عمر دراز کرے۔ آمین ثم آمین!

## شادی

آپ کی شادی خانہ آبادی قصور کے مشہور انجینئر گھرانہ میں ہوئی۔ یہ گھرانہ حاجی مستری علی محمد صاحب کا ہے۔ حاجی علی محمد کی زوجہ حاجن فاطمہ بی بی کی پوتی کرم بی بی سے آپ کی شادی کی گئی۔ یہ محترمہ حاجن فاطمہ بی بی مولوی قمر الدین صاحب مرحوم جو دیوان قمر نذبان فارسی کے مصنف ہیں، کی دختر نیک اختر تھیں۔ مولوی قمر الدین صاحب مرحوم اپنے زمانہ کے قصور شہر کے بہت بڑے جید عالم دین گزرے ہیں۔

## اولاد

حاجی محمد شفیع کے ہاں ۶ بچے پیدا ہوئے جن میں سے تین بقید حیات ہیں اور تین وفات پدچکے ہیں۔ وفات پانے والے بچوں میں کلثوم بانو اس لئے قابل ذکر ہے کہ وہ عین عنفوان جوانی میں وفات پا گئی جس کی کمی والدین کو تاحیات محسوس ہوتی رہے گی۔ ایک لڑکا شبیر احمد ہے جس کی شادی اس کے تایا حاجی محمد حسین صاحب مرحوم کی دختر سے ہو چکی

ہے۔ ایک لڑکی نصرت میاں محمد سلیم جان ایڈووکیٹ کے عقد میں ہے اور ایک لڑکا جمیل احمد ہے جس کی نسبت اپنے ماموں شاہ دین کی دختر سے طے شدہ ہے۔ اس کی شادی بھی عنقریب ہونے والی ہے۔





# میاں محمد صدیق

۹

سب سے چھوٹے صاحبزادے ہونے کی وجہ سے آپ والدین کو بہت بہت ہی لاڈلے تھے۔ باباجی ٹرہ بلوچاں ضلع شیخوپورہ میں ایک فیکٹری میں ملازمت کے سلسلہ میں مقیم تھے۔ اس وقت ان کی عمر تین چار سال کی ہوگی باباجی وہاں ان کو اپنے پاس ہی رکھتے تھے اور پیار کی وجہ سے جدا نہ کرتے تھے۔ اسی لاڈ پیار ہی کی وجہ سے آپ تعلیم سے کوئے رے۔ جوان ہونے پر والد صاحب کی ورکشاپ میں بھائی محمد حسن کے ساتھ کام کرنے لگ گئے۔ اسی ورکشاپ میں کام سیکھا اور اسی ورکشاپ میں کام کر رہے ہیں۔ جب باباجی نے جائیداد تقسیم کی تو انھوں نے اپنے سب بیٹوں کو خصوصی طور پر حکم دیا کہ یہ ورکشاپ محمد صدیق کو دی جائے۔ اس پر سب بھائیوں نے یاالاتفاق ورکشاپ ان کے حصہ میں دے دی۔ کچھ بابا ہی نے اور بھائیوں نے باہمی رضامندی سے اس چھوٹے بھائی اور لاڈلے پیارے بیٹے کے ساتھ ترجیحاً سلوک بھی کیا جس کے وہ مستحق بھی تھے۔ اس وقت آپ نے ورکشاپ میں تویسٹ کر کے سر یا سینے کا بارا بھی لگا لیا اور خراوشنیں بھی چل رہی ہیں۔ لاہور سے اپنا سر یا منگوا کر فروخت بھی کرتے ہیں اور سر یا کو بارا بھی کرتے ہیں۔ پاور لوفر کے سپیئر پائٹس، وائٹنگ مشین، چارپیرے بھی بناتے



جاوید اقبال خان

میں محمد صدیق صاحبہ انجینئر

ہیں۔  
 جس گاہک کو ایسی مشینوں کی ضرورت پیش آئے تو وہ سیدھا  
 آپ کے پاس آکر دریافت کرتا ہے۔ اگر یہاں اسے مطلوبہ مشین تیار  
 نہ ملے تو پھر وہ فوری ضرورت کے تحت کسی دوسری جگہ سے خریدتا ہے۔  
 ان کی مشینیں بہت ہی مشہور و مقبول ہیں۔ سلائی مشینوں کے پرزہ جاتا  
 بھی خوب بناتے ہیں۔

خوب محنت سے کام کرتے ہیں۔ کاروبار خوب چلتا ہے۔ دولت  
 کی خوب ریل پیل ہے۔ خوب کماتے ہیں۔ باعزت زندگی بسر کرتے ہیں۔  
 کافی شہرت کے مالک ہیں۔ خوش خلقی، نیک سیرت اور ملن ساری  
 ان کی شخصیت میں رچی بسی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد کی نعمت  
 سے بھی خوب نوازا ہے۔ ۲ لڑکے اور ۹ لڑکیاں عطا فرمائی ہیں۔



### اولاد

لڑکے : اقبال احمد۔ خلیل احمد  
 لڑکیاں : سلمہ بی بی۔ ثریا بی بی۔ رقیہ بی بی۔ نجمہ بانو۔  
 ریحانہ بانو۔ فرزانہ بانو۔ انیتا بانو۔ توہین بانو۔  
 رحمانہ بانو۔

# بابا جی کی لڑکیاں

(ہمای مہنیں)

حضرت بابا جی کے ہاں دو لڑکیاں تولد ہوئیں جن کے مختصر حالات

درج ذیل ہیں :-

## ① بڑی لڑکی زینب بی بی

زینب بی بی (مرحومہ) میاں الہی بخش (مرحوم) کے عقد میں تھیں۔ ان کے ہاں ۵ لڑکے اور ۷ لڑکیاں پیدا ہوئیں جن کے نام یہ ہیں :-

عبدالرحمن	عبدالغفور	محمد سعید	نذیر احمد
کرم بیگم	رحمت بی بی	رشید بی بی	حفظ بیگم
فضیلت بیگم	کوثر بی بی	فوز بیگم	

سب کی سب اولاد شادی شدہ ہے اور ماٹا ر اللہ اپنے اپنے

گھروں میں آباد خوش و خرم ہیں۔ زینب بی بی اور میاں الہی بخش اللہ

کو پیار سے ہو چکے ہیں اور اپنی رہائش گاہ مدینہ کالونی والٹن ٹریٹنگ

سکول لاہور کے قریب موضع کوڑے کے قبرستان میں مدفون ہیں۔ ان

کی تین لڑکیاں راقم الحروف کے تین بیٹوں کے عقد میں ہیں اور ہر طرح

سے شکھی ہیں۔

## ② خورشیدی بی بی

ہماری یہ بہن ماموں زاد بھائی محمد حسن سے شادی شدہ ہیں۔ ان کے ہاں ۶ لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ ان کا ایک لڑکا محمد اشرف علی تھا جو کہ پیدائشی ولی تھا صرف پانچ سال کی عمر میں شادی بیاہ کی مجلسوں اور دوسری تقریبات میں توحید پرستی کا اس قدر چرچا کرتا کہ سننے والے دنگ رہ جاتے۔ اس بچے نے نہ تو سکول میں پڑھا اور نہ ہی کسی مسجد میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے باوجود قرآن پاک کی آیات مبارکہ کو اس قدر روانی سے پڑھتا جیسے کہ حافظ صاحبان تلاوت کرتے ہیں۔ اردو میں ایسی جامع، مدلل اور روانی سے تقریر کرتا کہ سننے والے بخش بخش کراٹھتے۔ قرآن مجید کی آیات پڑھ کر ان کا ترجمہ و تفسیر بھی کرتا۔ اس بچے کی اکثر تقریریں ٹیپ کر کے والدین نے محفوظ کر رکھی ہیں۔ یہ بچہ صرف ۶ سال کی عمر میں اللہ کو پیارا ہو گیا۔ اس کا صدمہ خاندان کو بے انتہا ہے۔

دعا ہے کہ خداوند کریم اس بچے کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین!

خورشیدی بی بی اپنے گھر میں خوش و خرم، آباد اور شاداں ہے۔

خورشید سلیم کی اولاد

لڑکے: محمد حفیظ، محمد صبیح، بشوکت علی، احمد علی، سلامت علی۔

اشرف علی، صبیح الرحمن۔

# حج و زیارات

(حاصل عمر)

اس ذریعہ حاضری کا تجھ کو ہوا شمارہ

حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب خطیب اعظم جامع مسجد کوٹ فتح  
دین خاں فقور کی خدمت میں ایک دن بابا جی (والد صاحب) کو  
حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ اتفاق سے ایک اور بزرگ بھی مولانا کی  
خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے حج کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ بابا  
جی خاموشی سے سنتے رہے۔ حضرت قیامہ مولانا صاحب نے بابا جی کو  
مخاطب کر کے فرمایا: مستری جی! آپ ملازمت کے سلسلے میں کئی  
مقامات کا سفر کر چکے ہیں مگر میں آپ کو ایک سفر کی ترغیب دلاتا ہوں  
کہ آپ اس سفر پر بھی ضرور جائیں جہاں اللہ کے نیک بندے سر کے  
پل چل کر پاپاؤہ رنگیتانوں، بیابانوں کو عبور کر کے پہنچتے ہیں اور  
آج کل تو ماشاء اللہ سفر بھی نہایت آرام دہ ہو گیا ہے۔ بحری اور  
ہوائی جہاز چل رہے ہیں۔ یہ سفر اس سرزمین کا ہے جس کی زیارت  
سے مشرف ہونے کے لئے عرش کے فرشتے بھی ادب سے موجود  
رہتے ہیں اور جس سرزمین کی سر بلندی پر آسمان کو بھی رشک ہے۔



وہاں کی ریت کے ذروں پر فخر کائنات رحمت مجسم سرور عالم شافع محشر  
حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم آج تک ثبت  
ہیں۔

یوں تو باباجی عرصہ دراز سے حج پر جانے کی تمنا سے پھرتے  
تھے لیکن اس وقت حضرت مولانا کے یہ الفاظ بانگِ سحر کا کام کر گئے  
اور باباجی کا سراوب سے ٹھک گیا۔ اس طرح باباجی حرمین الشریفین  
کے مقامات مقدسہ کی زیارت کو دیرینہ خواہش کو از سر نو چاکتا ہوا محسوس  
کرنے لگے۔ فرط جذبات سے آنکھوں میں آنسو ڈھلکا آئے اور نہایت  
ہی انکساری سے عرض کیا کہ حضرت از زندگی باقی رہی تو آئندہ سال یہ  
تمنا بھی بفضلِ ایزدی پوری ہو جائے گی۔ انشاء اللہ! آپ دعا فرمائی  
کہ خداوند کریم میرے اس نیک ارادے کو استقامت بخشے۔ آمین! **پہلا حج**

چنانچہ دوسرے دوسرے سال ۱۹۴۸ء میں یہ ساعت سعید آن پہنچی جسے  
نصیب زندگی بھر کی تمنا بر آئی اور آپ نے اس سفر مقدس کا عزم کیا۔ آپ  
کے ہمراہ آپ کی اہلیہ، حاجی فضل الدین کنوٹی، آپ کے پھوپھی زاد بھائی حاجی  
مستری فضل الدین اور ان کی اہلیہ اور حاجی شیخ امام دین بھی شریک سفر ہوئے۔  
آپ لوگوں نے بذریعہ بحری جہاز سفر کیا۔ حرمین الشریفین میں آپ مشہور معلم  
معلم عمر اکبر کے یہاں تھے۔ ان دنوں معلم عمر اکبر نوجوان، تندست اور نکھو  
سے بینے تھے۔ بیت اللہ شریف پر حاضری دی۔ ارکان حج ادا کئے۔ حج

کی سعادت نصیب ہوئی۔ مکہ مکرمہ کی تمام زیارات سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد مدینہ منورہ مطہرہ النور پر حاضری دی۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت میں پہنچ کر دنیا کے ستار العیوب عقیبی میں شافع محشر سے عفو و مغفرت کی دعائیں مانگیں۔ اپنی خطاؤں پر رو رو کر آنکھوں سے آنسوؤں کے ہار پڑے اور بار بار شرفِ نیاز حاصل کرنے کی دعائیں مانگیں۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور التجا میں عرض داشتیں، دعائیں گہری گراہ کر پیشِ قدمت کیں۔

ادھر بھی کوئی ابر رحمت کا چھینٹا ادھر بھی نہ خرابے سہاڑوں کے والی نگاہوں میں تیری بخشش کا عالم کھڑے ہی تیرے در پر سوالی ہاں میں پھر عطا کر جلال ابو ذر، ہمیں پھر عنایت ہوشان بلالی دکتے رہیں تیرے گنبد کے جلوے سلامت کے تیرے رخصتہ کی جالی بجایے کہ ہم تشنگانِ کرم کا عمل کی حقیقت سے دامن ہے، عالی مگر یہ شرف بھی کوئی کم نہیں ہے تیری ذات کے ایک نسبت ہے عالی جہاں سے ملی تھی بو چادر کو میری جہاں کیفِ سماں تھی روح عزالی وہاں لے کے آیا ہوں کلیوں کے گجرے وہاں لیکے پہنچا ہوں پلوئی ڈالی شپ زندگی کی سحر کر نیوالے صوف کو حریف گھر کرنے والے عوب تیرے فیضانِ رحمت کا طالب عجم تیری چشمِ کرم کا سوالی کبھی اکنے مانہ میں تھی وجہ تازش تیرے نام لیواؤں کی شان عالی مگر اب تو ہے میر توں کا فسانہ ہم اہل مصیبت کا آشفہ حال

میری سجدہ گاہ تیری زمین پہ ، یہ بڑے نصیب کی بات ہے  
 تیرے نقشِ پا پہ میری جبین ، یہ بڑے نصیب کی بات ہے  
 تیری خاک میرا تاجِ سر مجھے اپنے تخت پہ ناز ہے  
 میری رُوح کیف سے پُر ہوئی میری آنکھوں میں طو جِ مال ہے  
 میں گنہگار تو ہوں مگر آقا رحمۃ اللعالمین ہے  
 ہوں غلامِ شافعِ مذنبین یہ بڑے نصیب کی بات ہے  
 تو رؤف تو رحیم ہے تیری بارگاہِ کریم ہے  
 یہ وہ در ہے جس پہ نہیں نہیں یہ بڑے نصیب کی بات ہے  
 جنھیں خود حضورِ بلائیں گے انھیں رنج و غم سے چھڑائیں گے  
 وہی بخشے جائیں گے بالیقین ، یہ بڑے نصیب کی بات ہے  
 کہا میرا سر کہاں یہ زمیں ، کہاں یہ زمیں کہاں یہ جسبیں  
 یہ ہے فضلِ رب العالمین ، یہ بڑے نصیب کی بات ہے  
 تیرے در پہ آیا عفو خواہ میرے ساتھ میں دو گواہ  
 میری چشمِ تر میری آستیں یہ بڑے نصیب کی بات ہے  
 احمد علی سا عاصی پُر گناہ کہاں آستانِ حبیبِ حق  
 کہاں پہنچا یہ مجھ سا کتریں یہ بڑے نصیب کی بات ہے

مدینہ شریف میں ہر ہر مقام پر جو جو دعائیں مانگیں ان کا ما حاصل یہ ہے:

حضور! حضور! حضور! آپ ضرور میری التجا ہی سنتے ہیں۔ مجھ فقیر  
 فقیر کو اپنی رحمتوں سے بہرہ شاکھیے اور اپنی محبت میں غرق کیجئے۔ میں دیوانہ  
 ایک پاگل ایک فقیر حضور سے رحمتوں کی بھیک مانگتا ہوں۔ میرا کشکول قدموں  
 پر پیش ہے۔ اس میں اپنی رحمتوں اور شفقتوں کی خیرات ڈال دیجئے۔ ہاں حضور!  
 اپنی رحمتوں اور اپنے اکرام و الطاف کا کچھ حصہ اس عاصی گنہگار نور محمد  
 کے کاسہ گدائی میں بھی ڈال دیجئے۔ حضور! آپ نے اپنے دربار میں حاضر  
 کا موقع دے کر مجھ پر اتنا بڑا کرم کیا ہے کہ میں دن رات درود شریف پڑھ کر  
 پڑھ کر بھی حضور کی ان نوازشوں کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

مدینہ منورہ کی تمام زیارات مقدسہ سے مشرف ہو کر اور ہر جگہ عقیدت  
 کے آنسو بہا بہا کر آخر کار مدینہ شریف سے واپسی کا دن قریب آ گیا۔ بابا  
 جی کا رحمتوں اور شفقتوں سے لبریز دل و دماغ اس دن ادا ہے۔ غمگین ہے  
 جدائی کے آنسو رو رہا ہے اور خوب آنسو بہا رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوا  
 کہ دل و دماغ کی تمام مسترتیں چھین گئی ہیں۔ معلم حیدر حیدری نے بتایا کہ آج  
 مدینہ سے واپس چلے جاتے گئے۔ بس یہ سنتے ہی دل و دماغ کا نقشہ یکسر  
 بدل گیا۔ بابا جی رخصت کے وقت ماہی بے آب کی طرح تڑپ گئے، اور  
 اس تڑپ پر بات بات پر نکلنے والے آنسو عجیب کیفیت پیدا کر رہے تھے۔  
 جب بس چلی تو بابا جی پر رقت طاری ہو گئی۔ جب تک مسجد نبوی کے مینا  
 اور گنبد خضراء نظر آتے رہے، بابا جی رو رو کر نرکار دو عالم صلی اللہ علیہ  
 وسلم کی بارگاہ میں سلام و دُعا کرتے رہے۔ بالآخر سسکتی اور ٹپکتی ہوئی

آنکھیں لئے چدہ پہنچے اور اپنے گھر قصور پہنچ گئے۔  
 ذلک و فضل اللہ یوتیہ من الیشا

## دوسرا سفر حج

اس دوسرے سفر مبارک کے موقع پر باباجی کے فرزند حاجی محمد شفیع صاحب بھی شریک سفر تھے۔ اس حج کی روئداد برادر محمد شفیع نے اپنی زبان پر فرمائی جسے راقم الحروف نے تحریری رنگ دیکر قلمبند کیا۔

ماہِ چ ۱۹۷۱ء کا سال تھا اور اس سال یہ حج حج اکبر بن کر آیا۔ آپ کے ہمراہ آپ کے دو فرزند حاجی محمد شفیع و حاجی فضل الہی صاحبان کے علاوہ حاجی فضل الہی کی اہلیہ و حاجی محمد یعقوب کنونی بھی جو میں الشرفین تشریف لے گئے۔ اس مرتبہ بھی آپ رئیس المعلمین عمر اکبر کے ہاں مہمان ہوتے معلم عمر اکبر اس وقت آنکھوں سے نابینا ہو چکے تھے اور ان کے فرزندوں نے اپنے والد کی جگہ معلمی کا کام سنبھال رکھا تھا۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح حجاج کرام کی خدمت بڑے اچھے اور آہن طریقے سے کر رہے تھے۔

جب باباجی اپنے اس مختصر سے قافلے اور سامان سمیت معلم موصوف کے ہاں پہنچے تو معلم عمر اکبر اپنے ڈیرے پر موجود تھے۔ باباجی نے ان سے سلام علیکم کے ساتھ مصافحہ کیا تو معلم صاحب نے باباجی کا نام دریافت فرمایا۔ جب باباجی نے اپنا نام نور محمد قصوری پاکستانی بتایا تو معلم صاحب بڑے ہی اشتیاق سے غلگیر ہو گئے اور فرمانے لگے کہ آپ پہلے بھی میرے

مہمان رہ چکے ہیں۔ معلم صاحب کا حافظہ اس قدر تیز تھا کہ انہوں نے ایک دم فرمایا کہ آپ ۱۹۴۸ء میں بھی میرے مہمان رہ چکے ہیں اور ساتھ ہی حاجی فضل دین، حاجی فضل دین کنوئی، ہماری والدہ ماجدہ اور حاجی فضل دین کی زوجہ و حاجی ابام دین صاحبان جو اس حج پر میرے ہمراہ تھے، کے نام بھی بتا دیتے انہوں نے فرمایا کہ اب پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ سعادت نصیب فرمائی ہے اور مجھے پھر آپ کی مہمانی کا شرف حاصل ہے۔ آپ لوگ دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بار بار اس سعادت سے نوازے۔ باباجی نے اپنے فرزندوں اور ہمراہیوں کا تعارف بھی معلم صاحب سے کرایا تو وہ اور بھی خوش ہوئے اور اپنی دعاؤں سے نوازتے رہے۔ ساتھ ہی حج سے متعلقہ مسائل بھی سمجھاتے رہے۔ اس طرح مکہ شریف سے حج کی ابتدا ہوئی۔

باباجی اپنے اس مختصر سے قافلے کو لے کر خود ایک معلم کی حیثیت سے اللہم لبیک اللہم لبیک کا ورد مسعود کرتے ہوئے مکہ مکرمہ کی خوبصورت گلیوں سے ہوتے ہوئے بیت اللہ شریف کے باب السلام تک جا پہنچے۔ یہ مسجد حرام کا دروازہ ہے۔ اس دروازے سے حرم شریف میں داخل ہونا افضل ہے۔ مسجد حرام میں داخل ہو کر سب سے پہلے حجر اسود کے پاس لے گئے۔ حجر اسود جنت کا ایک پتھر ہے جن کو یوسر دینے سے حاجی کے گناہ اس طرح چوسے جلتے ہیں جیسے سیاہی چوس پیڑ سیاہی کو چوس لیتا ہے۔ باباجی نے طواف کا طریقہ بتایا۔ سب نے حجر اسود کو یوسر دینے اور طواف عمرہ کے لئے سات چکر لگائے۔ پھر مقام ابراہیم پر آ کر دو نفل ادا کئے۔ مقام ابراہیم



بھی حینت ہی کا ایک پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے  
 بیت اللہ کی تعمیر کی تھی۔ اس کے بعد زمزم کے کنویں پر لے گئے۔ یہ چشمہ مسجد حرام  
 بیت اللہ کے قریب واقع ہے۔ انھوں نے زمزم کے پینے کا طریقہ بتایا اور  
 ہم نے سیر ہو کر زمزم پیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد صفا مروہ گئے۔ صفا و مروہ دو  
 پہاڑیوں کا نام ہے جن پر حضرت ہاجرہاں علیہا السلام اپنے نخت جگر حضرت  
 اسمعیل علیہ السلام کے لئے پانی کی تلاش میں ادھر سے ادھر دوڑ کر اوپر نیچے  
 آتی جاتی رہیں۔ بابا جی نے بیت اللہ شریف کی طرف مہٹ کر کے صفا و مروہ  
 پر سعی کرنے (دوڑنے) کا طریقہ بتایا۔ سب ساتھیوں نے یہ عمل پورا کیا  
 اور اس طرح عمرہ پورا ہو گیا۔

ہماری والدہ حضرت بابا جی نے مندرجہ بالا کام اپنی ضعیفی کے باوجود اس  
 طرح ادا کئے اور کروائے کہ جیسے ایک روحانی طاقت ان کے جسم میں سترایت  
 کر گئی ہو۔

اب مناسک حج کیلئے تیاری شروع کر دی۔ چنانچہ بابا جی نے کچھ مختصر  
 سی تاریخ اپنے ہمراہیوں کو ترغیب دلانے اور معلومات کے لئے یوں بیان کی  
 خانہ کعبہ بیت اللہ شریف اللہ تعالیٰ کا مقدس گھر ہے جسے سب سے  
 پہلے اللہ کے حکم سے ملائکہ نے تعمیر کیا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اسے  
 تعمیر کیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے بیٹے حضرت اسمعیل علیہ السلام  
 نے مل کر ازبھر نواسے تعمیر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں بھی  
 خانہ کعبہ کو نئے سے نئے سے تعمیر کیا گیا جس میں آپ نے بھی حصہ لیا اور حجر اسود

کو اپنے دست مبارک سے اس کی جگہ پر نصب فرما کر ایک بہت بڑی اور  
خونریز لڑائی کے خطرے کو ٹال دیا۔ یہ گھر خدائے وعدہ لائبریک پر ایمان رکھنے  
والوں کے لئے سب سے پہلی عبادت گاہ ہے۔

دنیا کے تکرارے میں پہلا وہ گھر خدا کا ہم اس کے پاس ہیں وہ پاسیاں ہمارا  
اب بابا جی نے فرمایا کہ خانہ کعبہ کو صرف دیکھتے رہتے سے اللہ تعالیٰ  
۲۰ رحمتیں نازل کرتا ہے۔ اس میں نماز پڑھنے والوں پر ۲۰ رحمتیں اور اس

کے گرد طواف کرنے والوں پر روزانہ ۶۰ رحمتوں کی بارش ہوتی ہے۔  
اس وعظ و نصیحت کے بعد بابا جی اپنے ہمراہیوں کو لے کر حرم شریف

میں داخل ہوئے اور سب نے طواف کرنے کی سعادت حاصل کی۔ حجر  
اسود کو یوسے دیتے۔ مقام ابراہیم کے قریب آکر نوافل ادا کئے۔ پھر

مذبح سے چمپ چمٹ کر دعائیں مانگیں۔ مذبح حجر اسود اور بیت اللہ  
شریف کے درمیان ہے۔ یہاں پر دعائیں مانگنا مسنون و مقبول ہے۔

پھر مسجد حرام سے نکل کر صفا مروہ کی سعی کرنے کے بعد میدان عرفات  
میں پہنچ گئے۔

میدان عرفات اس مقام کو کہتے ہیں جہاں عرش سے قرش پر اترنے  
کے حضرت آدم علیہ السلام کی ملاقات حضرت حوا علیہا السلام سے ہوئی

اور دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا۔ اس میدان کی حدود قائم ہیں اور  
ان حدود سے باہر ٹھہرنا سب حج کے خلاف ہے بلکہ حج کی ادائیگی

نہیں ہوتی۔ بابا جی نے میدان عرفات میں گڑ گڑا کر دعائیں مانگیں اور

اپنے ہمراہیوں سے بھی مشکوایں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتیں برتی  
ہیں۔ سب نے اپنے اپنے گناہوں کی معافیاں مانگیں۔ استغفار پڑھے۔  
پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں اور ندیاں بہا  
دلیجی اور کیسوی کے ساتھ دعاؤں میں مشغول رہے۔

وقوف عرفات مکمل کرنے کے بعد مزدلفہ پہنچے مزدلفہ کی رات  
یلۃ القدر سے افضل ہے۔ رات گزارنے کے بعد رکعتیں کنکریاں  
مارنے میں مشغول ہوئے۔ چھوٹے شیطان، درمیانے شیطان، بڑے شیطان  
کو کنکریاں ماریں۔ پھر قربانی کرنے میں پہنچے۔

تمام مناسک حج ادا کر لینے کے بعد احرام کھول دیتے۔ بس حج مکمل  
ہو گیا۔ پھر واپس خمازہ کعبہ پہنچ کر طواف و داع کیا۔ منظوم دعائیں مانگا  
مانگا کر آنسوؤں کے ہار پر روئے۔ (اللہ تعالیٰ کے حضور میں)۔

تو ہو کسی بھی حال میں مولا سے تو لگائے جا

قدرت ذوالجلال میں کیا نہیں گڑ گڑائے جا

مز میں خدا کے نام کی دل پر یونہی لگائے جا

گو نہ ملے جواب کچھ یونہی کھٹکھٹائے جا



یا خدا! یا خدا! سن لے میری یہ التجا

آگیا ہوں در پہ تیرے ٹھوکری کھاتا ہوا

تیری چوکھٹ پہ کھڑا ہوں ہاتھ پھیلائے ہوئے

مانگتا ہوں رحم تجھ سے سر کو جھکائے ہوئے

کھولیں وہ یا نہ کھولیں در تیری اس پر ہو کہیں نظر  
 تو بس اپنا کام کر یعنی صدائے گائے سے  
 بخش دے میرے گناہ بخش دے میری خطا  
 یا خدا! یا خدا! سن لے یہ میری التجا  
 تو ہے والی بے کسوں کا تجھ سے کہتا ہوں میں  
 تجھ سے اگر نہ کہوں اور کہوں کس سے کہوں  
 تیرے در سے اچھا مجھے اور در نہیں ملا  
 یا خدا! یا خدا! سن لے میری یہ التجا

### مدینہ میں حاضری

اب روضہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دینے کے  
 تیاری شروع ہوئی ہے

اگر فردوس برائے زمین است

ہیں است وہیں است وہیں است

وہ دن خدا کے کہ مدینہ جائیں ہم  
 چلو سر کے بل اے متوالے اٹھ کر  
 ہو نظرِ کرم مجھ پہ شاہِ مدینہ  
 تصور میں ہیں اب مدینہ کی کلیاں  
 بڑی آہ وزاری سے جا کا مقدر  
 خاکِ درِ رسول کا سرمہ لگائیں ہم  
 مدینہ بہت ہی سب آگیا ہے  
 لو قدموں میں تیرے گریب آگیا ہے  
 سماں مجھ پہ گویا عجیب آگیا ہے  
 میرے کام میرا نصیب آگیا ہے

محمدؐ کا روضہ قریب آگیا ہے بلندی یہ اپنا نصیب آگیا ہے

ان کے صدقہ جہیں یاد شہا بری علی  
خرد اس معجزہ شوق بہ پیراں ہونی  
انکے صدقے جن آنکھوں نے مدینہ دیکھا  
انکے دربار میں جیجے جیسا کمینہ دیکھا

ہے پیش نظر روضہ سلطان اکرم آج  
پھر میں نے پکارا انہیں بادیدہ تم آج  
اک طالبِ دیدار یہ بھی چشمِ کرم آج  
نزدیک سے ہمدمِ شہِ طیبہ کا حرم آج  
سگر ایلبا یا ہے تو ہو اتنا کرم آج  
اک عمر جلا یا ہے کڑی دھوپ نے مجھ کو  
مل جائے مجھے سایہ دیوا بر سرم آج  
پہلے سے فزوں سے مجھے امید کرم آج  
یاد آئے بہت سید سالار اکرم آج  
اے ماہِ حبیبیں لوٹے طلسمِ شبِ غم آج  
آرقص کریں ماہِ مدینہ میں ہم آج  
سگر کے قدموں میں نکلے مرادم آج  
ہل جائے مجھے سایہ دیوا بر سرم آج

بابا تک اپنے بس مختصر سے قافلے کو لے کر حبیب باب السلام سے  
مدینہ طیبہ کی مقدس سرزمین میں داخل ہوئے تو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ  
مل کر یہ دعا مانگی :-

اے اللہ! تو نے اپنی نوازشات سے ہمیں یہ مبارک دن دکھلایا ہے۔ ہم  
تیرے ہی فضل و کرم سے ایسی سرزمین میں داخل ہوئے ہیں جو تیرے محبوب  
ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر ہے اپنے لطف و کرم سے اور اپنی برکتوں،

رحمتوں اور عطاؤں سے ہمکے دلوں کو نرشار کر دے۔ اے اللہ اپنے محبوب  
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و عنایت کے ساتھ ہماری طرف توجہ کیجیے کہ  
ان کا قلب مبارک بھی آپ کے ہاتھ میں ہے۔

پھر مسجد نبویؐ میں داخل ہو کر روضہ اقدس کے سامنے کھڑے ہو کر  
یا حاجی نے یہ دعا کی جس پر ہم سب آمین آمین کہتے رہے :-

اے اللہ! تو گواہ ہے کہ تیرے یہ گنہگار بندے تیرے حبیب پاک  
محبت میں ہزاروں میل کا سفر طے کر کے شرفِ نیاز حاصل کرنے آئے ہیں  
اس مقدس سرزمین کی خاک پاک اپنی آنکھوں سے لگا کر روضہ رسول صلی  
علیہ وآلہ وسلم پر رات دن حاضری دے کر عفو اور پناہ کے طلبگار ہیں۔ اے  
غفور رحیم! تو اپنے محبوب کی خاطر ہم پر رحم فرما اور اپنی محبت عبادت اور  
شہنشاہِ دو عالم کی محبت جاودانی عطا فرما۔

برادرِ عزیزِ حاجی محمد شفیع کا بیان ہے کہ یا حاجی نے ایسی خشوع و خضوع  
یکڑ گڑا کر سسکتی بلکتی ہوئی آہوں اور پُر نغم آنکھوں سے دعائیں اور التجا  
کیں کہ ہم سب پر رقت طاری ہو گئی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں  
نکلیں سسکیاں اور آہیں بھر بھر کر اپنی عاجزی کا اقرار کیا اور اپنی جھولیوں  
کو اللہ کی رحمتوں سے بھرتے رہے۔ اس اثنا میں یا حاجی کی ریش مبارک  
پون یا لشت لمبی تھی، آنسوؤں سے تر ہو گئی

دعا سے فالخ ہوئے تو پھر برادرِ حاجی محمد شفیع صاحب نے ستر  
جالیوں کے سامنے کھڑے ہو کر بڑے ترنم سے التجائیں کہیں اور دوسرے



ماتھی بھی دل میں پڑھتے رہے اور آمین آمین کہتے رہے ۷  
 تھی دستوں کو زمانے بھر کی دولت بانٹنے والے  
 درِ اقدس پہ میں بھی کاسہ لے کے آیا ہوں  
 اٹھا دو اے نگاہ شوق سبز گنبد کے پردے  
 میں بھی دیدارِ <sup>صلی اللہ علیہ وسلم</sup> کی تمنا لے کے آیا ہوں  
 لے کے دربار میں حال زار آیا ہوں  
 رحم اے خواجہ! کہ میں سینہ فگار آیا ہوں  
 دل سے بارِ غم ایام اُتار آیا ہوں  
 یہ مدینہ ہے، یہاں زمزمہ بار آیا ہوں  
 اللہ! اللہ! یہ فیضان ہوائے طیب  
 کہ خراماں صفت ابر بہار آیا ہوں  
 بوسہ گاہ لبِ جبریل ہے بابِ حضرت  
 چو منے میں بھی در شہر کاغیب آیا ہوں  
 گھر سے نکلا تھا تو مدینہ تھا نظر میں  
 جلوہ در سینہ تجلی یک بار آیا ہوں  
 کئی امیدیں، کئی حسرتیں بیکر دل میں  
 تیسے گھر، تیری گل تیسے دربار آیا ہوں  
 اب تو جلووں میں گزرتا ہے برا وقت تمام  
 غم ہستی کے شب و روز گزار آیا ہوں

نظر اے لطف و کرم بلخ جہاں کے مالی  
ہوں خزاں دیدہ، طلب گار بہار آیا ہوں

برادر م حاجی محمد شفیع صاحب نے مدینہ طیبہ کے قیام کی روئداد بیان کی:  
مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد دوسرے روز یا با حاجی ہیں مختلف مقامات  
مقدسہ کی زیارات کے لئے گئے۔ سب سے پہلے مدینہ منورہ کے  
عظیم قبرستان جنت البقیع میں داخل ہوئے۔ اس میں صحابہ کرام، بزرگان  
عظام، علمائے کرام، ائمہ المومنین اور صالحین کے مزارات ہیں اور  
دیگر بہت سی متبرک ہستیاں بھی آرام فرما ہیں۔ سیدھے امام المظلومین سیدنا  
حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے مرقد مبارک پر حاضری دی۔  
اس جگہ پر جانے والا ہی ان کے مرقد مبارک کی عظمت کا اندازہ کر سکتا ہے  
وہاں پر کھڑے ہوئے اور جب نگاہ اٹھی تو روضۂ اطہر پر جا لگی اور بالکل  
سامنے گنبدِ خضراء دکھائی دیا۔ یہ بھی ایک معجزہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک  
دفہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھا کر حضرت عثمان  
ؓ کے ہاتھ قرار دے کر ان کے حق میں بیعت لی تھی۔

اس کے بعد اس عظیم ماںِ علیہ السلام کی قبر مبارک پر حاضری دی۔ ہم  
سب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جنت البقیع کی کسی قبر پر بھی ایسی خوشنما سبز  
میل نظر نہیں آئی جیسی اس عظیم ہستی اور عظیم ماں کی قبر مبارک پر دیکھنے میں آئی  
ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے والی ماں کے

یعنے مبارک کو اس پہل نے ایسے ڈھانپ دیا ہے کہ جیسے قدرت نے بالکل  
 وہ دے دیا ہو۔

یہاں سے فالغ ہونے کے بعد صاحبزادہ حضرت ابراہیم کی لحد مبارک  
 حاضری دی اور ان کے وسیلہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی۔

اس کے بعد سات شہیدوں کی قبروں کی زیارت کی جس کے گرد اگر د  
 قریباً ۴ فٹ اونچی دیوار بنی ہوئی تھی۔ اس سے آگے چل کر آقاؑ کے تاملار  
 صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اہل بیت المؤمنین کی قبور مبارکہ کی  
 زیارت اور حاضری سے مشرف ہوئے۔ ان کی تعداد ۹ ہے۔

اس کے قریب ہی ساتھ والی چوکھنڈی کے گرد ایک بڑا ہجوم کھڑا نظر  
 آیا۔ ہم فوراً وہاں پہنچے۔ قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ اس میں چار قبریں بنی  
 ہوئی ہیں۔ ایک کونہ میں حضرت خاتونِ حبیبہؑ جناب فاطمہ الزہراء رضی اللہ

عنہا آرام فرما رہی ہیں۔ درمیان میں حضرت امام حسن، حضرت امام زین  
 العابدین، حضرت عباس رضی اللہ عنہم کی قبریں ہیں۔ واپس ہوتے تو حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک پھوپھیوں کے مرقد مبارک تھے جن کی زیارات  
 سے بھی مشرف ہوئے۔ اس طرح ہم نے مذکورہ زیارات کی تکمیل کی۔

تیسرے دن باباجی کے ہمراہ زیارتوں کے لئے پھر نکلے۔ پہلے مقام  
 اُحد پر پہنچے۔ باباجی نے ہماری محلو مات کے لئے فرمایا کہ یہ وہ مقام ہے

جہاں غزوہ اُحد کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک شہید  
 ہوئے تھے۔ پھر باباجی ہمیں ایک بڑی چار دیواری کے اندر لے گئے۔

اندر داخل ہوتے ہی حضرت امیر حمزہ کی قبر کی زیارت کی جو بالکل درمیان میں تھی۔ اس کے ایک طرف حضرت عبداللہ بن حبیش اور دوسری طرف حضرت مصعب بن عمیرہ مدفون ہیں۔ ان تمام اصحاب کی قبور کی زیارتوں سے شرف ہوئے۔

آگے چل کر جنگ احد میں شہید ہونے والے ستر شہداء کی قبور مبارک کی زیارت کی۔ اس کے بعد حضرت عثمان کے کنویں جو بیتر عثمان کے نام سے مشہور ہے، کی زیارت کی۔ اس کنویں کو حضرت عثمان نے یہودیوں سے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اس کنویں پر آج کل بڑا ٹیوب ویل لگا ہوا ہے۔ ہم نے وہاں پر نفل ادا کئے اور جی بھر کر اس کنویں کی زیارت کی۔ بیتر عثمان پر ایک چیز چود ٹکھنے میں آئی، وہ یہ کہ اردگرد کا علاقہ پھیر لیا تھا لیکن ہر طرف کافی ہیر مالی نظر آرہی تھی۔

اس کے بعد حضرت بابا جی نے ہمیں وہ خندق کا میدان دکھایا اور اس کی مختصر تاریخ سے ہمیں آشنا فرمایا۔ اس کے بعد مختلف مسجدیں دیکھیں اور خانہ کرم مسجد قبلتین، جہاں حضور نے ظہر کی نماز کے دوران بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف چہرہ انور پھیر لیا۔ اس میں ایک محراب بیت المقدس اور دوسرا خانہ کعبہ کی طرف ہے، اس مسجد کی زیارت کی۔

اب چوتھے دن کی زیارات کی ابتدا مسجد قبا سے ہوئی۔ حضرت بابا جی ہمیں مسجد قبا میں لے گئے۔ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص با وضو ہو کر یہاں دو رکعت نماز نفل ادا کرے گا اس کو عمرہ کا ثواب

طے گا۔ چنانچہ ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق بڑے ہی خشوع و خضوع سے نوافل ادا کئے۔ یہ مسجد بڑی خوبصورت ہے اور یہ مدینہ نبوی کی پہلی مسجد ہے۔

اس زیارت مقدس سے فارغ ہو کر اب نخل بنی سلمان پر حاضری دی۔ وہاں پر کھجوروں کے اتنے درخت تھے کہ عقل حیران ہوتی ہے۔ خاص کر دو کھجوریں اتنی بڑی اور اونچیں تھیں کہ دیکھنے والے کے سر سے پگڑھی گرجائے۔ یہ مبارک کھجوریں وہ ہیں جن کے متعلق مشہور ہے کہ یہ کھجوریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے لگائیں تھیں۔ کچھ کھجور کے درخت وہ ہیں کہ جنہیں لگانے کے لئے آپ نے اپنے اصحاب کو حکم فرمایا کہ سب اصحاب ایک ایک کھجور کا درخت لگائیں۔ بڑی کھجوروں کے تنے اتنے ملائم ہو چکے ہیں جیسے ریشم ہو کیونکہ ہر آنے والا زائر ان کھجوروں کے تنوں سے لپٹ لپٹ کر اپنا جسم لگا کر ایک روحانی تسکین حاصل کرتا ہے۔ بابا جی نے یہاں ایک کاندرا سے یہیں کچھ کھجوریں لے کر دیں اور ہم نے خوب لپٹ بھر کر کھائیں۔

آگے گئے تو خاکِ شفاء کا میدان نظر آیا۔ اس میدان کے متعلق مشہور ہے کہ جنگ سے فارغ ہو کر زخمی صحابہ کو حضور نے حکم دیا تھا کہ اس میدان کی خاک اٹھا کر اپنے اپنے بدنوں پر ملیں۔ جب صحابہ نے ایسا عمل کیا تو تمام زخموں کے زخم مندمل ہو گئے اور شفاء گئی۔ اسی مناسبت سے اس میدان کو خاکِ شفاء کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس میدان میں

کافی گڑھے پڑ چکے ہیں۔ ہم نے بھی وہاں سے خاکِ شفا حاصل کی۔

اب پانچویں دن کی زیارات کھجور منڈی سے شروع ہوئیں۔ بابا جی نے ہمیں مختلف کھجور منڈیاں دکھائیں اور ساتھ ہی ایک بڑی مسجد کی زیارت کی جو مسجدِ قبلہ کے نام سے مشہور ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مسجد میں جمعۃ المبارک کی نماز کی سب سے پہلے امامت فرمائی تھی۔ یہاں نوافل ادا کرنے کے بعد مسجد حضرت سیدنا ابوبکر و حضرت سیدنا عمر فاروق و حضرت علی رضی اللہ عنہم کی زیارات سے مشرف ہوئے۔ یہ سب مسجدیں اپنی اپنی جگہ پر نہایت خوبصورت تعمیر کی گئی ہیں۔

چھٹے روز بابا جی ہمیں ہمراہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبد اللہ کے مزار پر لے گئے۔ اس جگہ ایک قبر مبارک تو آپ کے والد ماجد کی ہے اور دوسری کسی بادشاہ کی۔ یہ دونوں قبریں ایک قلعہ نما حویلی میں ہیں۔ اس کے بعد حضور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت کاسہ کی زیارت کی۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ انھوں نے حضور علیہ السلام کی ہر تیوت مبارک کو بوسہ دیا تھا۔

بقیہ ایامِ مسجدِ نبویؐ میں درود و سلام میں گزارے۔ مسجدِ نبوی کے متعلق مشہور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو شخص میری مسجد میں چالیس نمازیں ادا کرے گا، وہ دوزخ کی آگ اور عذابِ نفاق سے بری ہو جاتا ہے۔ مسجدِ نبوی میں نماز ادا کرنا کسی دوسرے مقام پر نماز ادا کرنے سے ہزار گنا افضل ہے۔ ایک دوسری روایت ہے کہ ایک نماز کے بدلے



پاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ ہم نے خدا کے فضل و کرم سے اس مسجد  
 و مٹی میں چالیس سے زائد نمازیں ادا کیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ موقع نصیب  
 ، مگر خوش بختی سے نوازا۔ یہ نمازیں صرف اسی کی دین تھی، اسی کا کرم تھا۔  
 رہنے ہم گنہگار و سہیہ کا کہاں ٹھکانا۔ ریاضِ اہلبیت میں نمازیں کثرت سے  
 پڑھتے رہے۔ مدینہ شریف میں قیام کے دوران دو عدد جمعۃ المبارک بھی ادا  
 کرنے نصیب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے خوب خوب جھولیاں بھریں۔  
 مدینہ منورہ کی ہر زیارت کو خوب جی بھر کر دیکھا، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر  
 ہے جس نے یہ موقع فراہم کیا۔ شکر الحمد للہ!

## کوئے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

تیرے کوچہ میں صنم جلوے وہ سُن دیکھے فیضِ بخشی کے تیرے چلتے سمند دیکھے  
 مجھے وہ کیف کجاں جنتِ رضواں میں نصیب جو نطلے تیرے سیکر دربار کے اندر دیکھے

تیرے دربار کی کیا شان سے سبحان اللہ  
 تیرے منگتوں میں کھڑے لاکھوں سکند دیکھے

تیرے جو نام سے بیزار ہو گئے واللہ!  
 ذلیل و خوار ہوئے ہم نے در بدر دیکھے  
 کوئے حبیب میں پرولنے منتظر دیکھے  
 رقص کرتے ولی ابدال تسلند دیکھے

یوادم حاجی محمد شفیع صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ انہیں اللہ تعالیٰ  
 کے فضل و کرم سے اور والد بزرگوار کی دعاؤں کے صدقے آقائے  
 تادار صلی اللہ علیہ وسلم و سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی زیارت  
 بھی ذرا سی اونگھ کے درمیان نصیب ہوئی۔ ذلک فضل اللہ یوتہ من یشاء  
 اس طرح حج کا یہ مبارک سفر جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں نصیب فرمایا تھا  
 آپوں اور سسکیوں کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ آخری بار ہم مدینہ منورہ  
 سے سیدھے احترام باندھے مکہ مکرمہ الوداعی حاضری کیلئے حاضر ہوئے  
 اور پہلے عمرہ ادا کیا۔ کعبہ سے وداع اور رخصت ہونے کا حکم اور آنکھوں  
 سے روال دوال آنسوؤں کے ساتھ آخری طواف کیا اور مقام ابراہیم  
 پر دو تفل طواف کے پڑھے۔ پھر زمزم شریف پر جا کر خوب سیر ہو کر پانی  
 پیا۔ پھر ملتزم پر وداع اور رخصت کے غم سے نڈھال خوب لپٹ لپٹ  
 کر روئے اور خشوع و خضوع کے ساتھ حج کی قبولیت اور دنیا و آخرت  
 کی بھلائی کی دعائیں مانگیں اور یہ بھی دعا مانگی کہ خداوند ابراہیمی  
 حاضری آخری حاضری نہ ہو بلکہ ہمیں بار بار اپنے دربار کی حاضری کی  
 توفیق بخشی جائے اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بار بار  
 نصیب فرما۔ پھر حجر اسود کو آخری بوسہ دیکر حضرت اسے بیت اللہ کو  
 دیکھا اور آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کے طار پرستے ہوئے راس  
 کعبہ کو یاز کرتے ہوئے التجائیں دعائیں کرتے ہوئے پکارا کہ اے  
 رب کعبہ اے غفور رحیم! اے سپنا لعیوب! اے دلوں کے بھید

جاننے والے سمیع و علیم! ہم سے مسجد حرام اور بیت اللہ کے آداب اور حقوق کے بارے میں سو کو تاہمیاں ہوئی ہوں انہیں معاف فرما۔ اس دعا کے ساتھ گڑ گڑاتے ہوئے معافیاں مانگتے ہوئے حرم شریف سے باہر آگئے۔

## تیسرا حج مبارک

اس تیسرے حج کے سفر مبارک میں آپ کے ہمراہ آپ کے فرزند دلہند حاجی فضل الہی صاحب اور راقم الحروف کی اہلیہ کرم بی بی تھیں۔ اس سفر حج کی روئداد حاجی صاحب موصوف اور اپنی زوجہ کی زبانی تحریر کرتا ہوں جو مندرجہ ذیل ہے :-

حضرت بابا جی اپنے گروپ کے ہمراہ مورخہ ۲۷/۱۲/۱۹۵۷ کو بندریہ ہوائی جہاز کھاتی سے جدہ پہنچے اور جدہ سے سیدھے مکہ شریف پہنچ گئے۔ گروپ کے ساتھیوں کے نام یہ ہیں : حاجی فضل الہی، غلام صغراں، کرم بی بی، حیات بی بی زوجہ محمد حسین۔ ارشاد احمد ولد حاجی محمد حسین۔ معلم عمر اکبر کے ہاں قیام کیا۔ رہائش کے لئے ایک مشترکہ مکان حرمہ البیاب ڈاک خانہ والی گلی میں حاصل کیا۔ یہ مکان حرم شریف کے بالکل نزدیک ہے۔ ہم سب نے اس میں اپنا اپنا سامان رکھا۔ سب سے پہلے عمرہ ادا کرنے کی نیت سے بیت اللہ شریف کی طرف چلے۔ پہلے بیت اللہ کا طواف کیا، حجر اسود کو بوسے دیئے، صفا و مروہ پر سعی کی۔ ان تینوں کاموں کے کرنے میں معلّیٰ کے فرائض بابا جی نے ادا

کر کے رہتائی فرمائی۔ وہ مسلسل دعائیں پڑھتے جا رہے تھے، ہم بھی دہراتے جا رہے تھے۔ اسی کیفیت میں ہم نے طواف کئے اور حجرِ اسود کو بوسے دینے کی نیت سے نصیب ہوئی۔ الحمد للہ!

دتیہ کے بت کدے میں پہلا وہ گھر خدا کا ہم پاسیاں ہیں اس کے وہ پاسیاں  
 طواف پورا کر کے ہم آپ زمرم کی چار دیواری کے مقام پر آگئے۔ آنے والے  
 پسیا، دل پر لگایا اور اپنے احتراموں پر بھی چھڑک گیا۔ اس وقت بابا جی فرمائیے  
 کہ کہاں نور محمد حقیر پر تقصیر گنہ گار بندہ اور کہاں یہ عظمتوں والا پانی سبحانہ  
 اپنی خوش بختی پر جس قدر تاز کروں کم ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس  
 تیسری دفعہ ایسا مقدس مقام زندگی میں دیکھنا نصیب فرمایا۔ بابا جی کی عرض  
 میں ہم دعائیں پڑھنے پڑھتے صفا پہاڑی پر گئے اور دعائیں پڑھتے پڑھتے  
 دوسری سیڑھیوں سے اتر کر آگے چلے گئے۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے  
 چڑھائی نظر آئی جہاں اوپر مروہ پہاڑی تھی۔ اس جگہ دعائیں پڑھ کر  
 واپس دوسرے راستے اتر کر طے کیا اور دوڑ دوڑ کر صفا پہاڑی پر پہنچے  
 گویا ایک چکر پورا ہو گیا۔ اسی طرح ہر چکر میں ایک ایک مقام پر اللہ اکبر  
 اکبر اللہ اکبر و اللہ الحمد کہا اور اسی طرح ساتوں چکر پورے کئے۔ الحمد للہ  
 عمرہ پورا ہو گیا۔

پھر بابا جی نے یہ دعائیں مانگی: اے اللہ! اے خانہ کعبہ کے مالک  
 تیرا بندہ تیرے گھر کو دیکھ کر مسرت سے رو رہا ہے اور عرض گزار ہے  
 پروردگار عالم میرے مال یا پ کو جنت الفردوس عطا فرما۔ اے میرے

کریم امیر بچوں اور بچیوں کو اپنی عبادت کی توفیق دے اور اپنی فرمانبرداری کا  
 جذبہ عطا فرما۔ اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار کر۔ اس  
 کے بعد یا با جی ہم سب کو لے کر اپنے مکان میں واپس آگئے۔ ہم لوگ وزانہ  
 حرم تشریف میں جلتے اور نوافل وغیرہ ادا کرتے حتیٰ کہ آٹھ ڈواچ کا دن آ  
 پہنچا۔ ہم سب نے غسل کر کے احرام باندھا اور مکہ مکرمہ سے منہ کے لئے  
 روانہ ہو گئے۔ ہمارے دل مسرتوں سے لبریز تھے۔ ہم خدا کے حکم کے سامنے  
 سر جھکا کر اس کے حضور میں ہرزجود ہوتے ہوئے منیٰ کے مقام پر پہنچ گئے۔  
 چنانچہ سارا دن اور ساری رات قیام کیا اور عبادت میں مشغول رہے۔ دوسرے  
 دن ۹ ذولحجہ کو ہم سب نماز فجر ادا کر کے سورج نکلنے کے بعد عرفات کے  
 میدان کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت بابا جی نے ہمیں بتایا کہ میدان عرفات  
 وہ میدان ہے جہاں حضرت آدم علیہ السلام کی ملاقات حضرت حوا علیہا  
 السلام سے ہوئی تھی اور دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا تھا۔ عرفات  
 کے میدان میں ہم نے اکثر وقت درود و وظائف، تلبیہ بیک میں گزارا  
 پھر ہمارے معلم ہمیں دعائے حج اور مناسک حج کے لئے جبلِ رحمت کے  
 سامنے لے گئے۔ وہ دعائیں پڑھتے جاتے تھے اور ہم دہراتے جاتے تھے  
 نہایت پُر اثر دعائیں پڑھنے کے بعد اپنے لئے، اپنی اولاد کے لئے، بہن  
 بھائیوں کے لئے دلی دعائیں کیں۔ بابا جی نے میدان عرفات جانے سے  
 پہلے جو چند نصیحتیں کیں وہ یہ ہیں :-

عرفات کا مبارک موقع مبارک دن بار بار نصیب نہیں ہوتا۔ اسی حقوڑ

سے وقت کا نام حج ہے۔ اس یا بکرت دن اور وقت کو غفلت سے نہ گننا چاہیے بلکہ اس وقت کو تلاوتِ قرآنِ پاک، جلی دعاؤں، کثرتِ درودِ تلبیہ اور ذکر و اذکار میں صرف کرنا چاہیے۔ بابا جی نے مزید بتایا کہ عرفہ کا وقت قبولیتِ دعا کا وقت ہوتا ہے۔ اس میدان میں جو بھی دعا مانگی جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے انشاء اللہ! چنانچہ ہم سب نے اپنے دل کی گہرائیوں سے خوب خوب دعائیں مانگی اور اللہ کی رحمتوں کے موتیوں کی بارش سے اپنے دامن کو بھرا۔ آہوں اور سسکیوں سے غروبِ آفتاب کے بعد مزدلفہ روانہ ہو گئے۔

بابا جی نے مزدلفہ کی رات کی اہمیت بیان فرمائی۔ فرمایا کہ یہ مزدلفہ شبِ شبِ قدس سے افضل ہے۔ چنانچہ ہم نے رات بھر ذکرِ الہی میں گزارا۔ مزدلفہ کے میدان سے شیطان کو مارنے کے لئے کنکریاں اٹھائیں۔ مزدلفہ صبح صادق کے وقت نمازِ فجر سے فارغ ہو کر مٹی کے میدان میں پہنچے۔ سب نے متفقہ طور پر حاجی فضل الہی و حاجی ارشاد احمد کو قربانی کا دے کر قربان گاہ بھیجا۔ اس طرح یہ دونوں اپنی اور سب کی طرف سے کرائے۔ قربانی حج کا شکرانہ ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اور حج کا رکن بھی ہے۔ اس کے بعد رمی کی اور ہم سب نے پہلے پھر حجرہ وسطیٰ اور پھر حجرہ عقیبی پر کنکریاں ماریں۔

پھر سر کے بال منڈوائے اور خانہ کعبہ پہنچ کر زمزم سے وضو کیا۔ طواف کی نیت کر کے طواف شروع کیا۔ طوافِ زیارت حج کا آخری



ہے وہ بھی ادا کیا۔ ان فرائض سے فارغ ہو کر ہم سب کو معظّمہ واپس  
اپنی قیام گاہ پر آگئے۔ غسل کیا، احرام کھول کر کپڑے پہنے۔ آج خدا  
کے فضل و کرم سے احرام کھل گیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ حج کے تمام ارکان  
تجیر و خوبی ادا ہو گئے۔ الحمد للہ! الحمد للہ! الحمد للہ! تم الحمد للہ!  
مدینہ کی عاصری سے پہلے طوافِ واداع کر لیا۔

## مدینہ منورہ کی تیاری

معلم صاحب نے بتلایا کہ مدینہ منورہ کی تیاری کرو اور تاریخ بھی بتلا  
ی۔ چند روز قبل قبلہ والد بزرگوار باباجی کو سینے میں درد کی شکایت ہو گئی  
فلہ جیاد میں چوہدری فضل حسین صاحب قصبوی اور حاجی محمد ابراہیم صاحب  
ٹھیکیدار اچھرہ لاہور والے قیام پذیر تھے۔ چوہدری صاحب موصوف سے  
باباجی کی دالہانہ محبت و عقیدت تھی۔ چوہدری صاحب بھی باباجی کی بہت  
ہمت عزت اور قدر کرتے تھے۔ چنانچہ ہم نے چوہدری صاحب سے بابا  
جی کی درد کا ذکر کیا۔ اس پر چوہدری صاحب نے ایک مولوی ساتی صاحب  
کو تلاش کیا۔ وہ سعودی ہسپتال میں ڈاکٹر صاحب کے پاس لے گئے۔  
ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ باباجی آپ خود درد والی جگہ پر ہاتھ رکھیں۔ چنانچہ  
ڈاکٹر صاحب نے انکیشن لگایا اور دوائی دی۔ قدرت کا کرشمہ کہ شام  
بک درد غائب ہو گیا۔ اگلے روز ہم مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے۔ رات کے  
بوقت دیار حبیب میں پہنچے اور رات کو ہی مکان لے لیا۔ رات بھر باباجی

مسجد نبوی کے تقدس، فیوض و برکات اور روضہ اقدس کی حاضری سے متعلق کچھ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سناتے رہے۔ وہ آج یہ ہیں :-

① جو شخص میری قبر پر میری زیارت کے لئے حاضر ہوا مجھے اس شفاعت لازم ہوگئی۔

② جو شخص میری قبر پر میری زیارت ہی کا مقصد لے کر آئے تو مجھ پر اس کا یہ حق ہو گیا کہ قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔

③ اگر کوئی شخص میرے وصال کے بعد میری قبر پر زیارت کے لئے حاضر ہوا تو یہ ایسا ہی ہے کہ اس نے گویا میری زندگی ہی میں میری زیارت کی۔

④ زمین کا وہ ٹکڑا جس پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسٹرا فرما ہیں، وہ سب سے حتیٰ کہ خاتہ کعبہ، مسجد حرام، عرش و کرسی سے افضل ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔

اگر فردوس برائے زمین است  
ہیں است ہیں است یہی است

صبح فجر کی نماز مسجد نبوی میں ادا کی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جو انھوں نے فرمایا ہے (روضۃ من عمارۃ الجنۃ) یعنی یہ جگہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔ یہ باغ کا باغ ہے۔ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں

ایک بار غائبے چنانچہ ہم سب نے یہاں نفل ادا کئے۔ پھر باب جبریل سے  
داخل ہو کر آٹھ تے نامہ اراصلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کے سامنے  
سلام عرض کرنے کی نیت سے حاضر ہو گئے۔

۷ سالہ بھی آہستہ یہ دربارِ نبیؐ ہے

خطرہ ہے بہت سخت یہاں بے ادبی کا

چنانچہ ہم سب نے روضہ الرسولؐ روضہ اقدس کے سامنے کھڑے  
ہو کر سلام عرض کیا۔ التجائیں، درخواستیں، گزارشیں پیش کیں۔ اس اثنا میں  
جب ہم نے باباجی کے پھرہ پر نگاہ ڈالی تو باباجی کی آنکھوں سے آنسوؤں  
لی جھڑیاں لگی ہوئی دیکھیں۔ بہر حال ہم سب کا بھی یہی حال تھا۔ اپنی اپنی  
وضدائیں پیش کرنے کے بعد اپنے عزیزوں اور دوستوں کے پیغامات  
سلام اور درخواستیں بھی پیش کیں۔ باباجی نے خاص طور پر دعا مانگی۔ اپنی  
اس دعا میں ہم سب کو متوجہ کر کے فرمایا کہ تم سب آمین، آمین کہتے جاؤ۔  
وہ دعا یہ تھی :-

باباجی نے پہلے اپنے سب لڑکوں کی طرف سے حضور انور صلی اللہ علیہ  
وسلم کی خدمت اقدس میں پیغام سلام پیش کیا۔ پھر فرمایا، اے رحمت اللعالمین  
سب بچوں اور بچیوں نے عرض کی ہے کہ انھیں اپنے دربارِ محضری کی اس  
توفیق کو قبول فرما۔ دین و دنیا کی کامیابی اور خوشیوں سے ان کی جھوٹیاں  
بھرنے۔ اے اللہ کے پیارے رسول! انھوں نے یہ بھی درخواست کی ہے  
کہ انھیں اور ان کی اولاد اور سب گھر والوں کو نیکی کے راستے پر چلا

اور اپنی محبت کا جذبہ عطا فرما۔ اسے محبوب سبحانی اسے مولائے مدنی بلکہ نبیوں کے سردار بنا اسے صاحبِ معراج و محمود باہم سب کو دنیا و عقبیٰ کی بہترین زندگی عطا فرما اور اپنے روضہ مبارک کی بار بار حاضری نصیب فرما۔ میری تمام اولاد کے دلی دکھوں اور کلفتوں کو دور فرما۔ اپنی رحمتوں سے مالا مال کر دے۔ اپنی حمد و صلوات کا حق ادا کرنے کی توفیق فرما۔ دین اور دنیا کی فلاح اور نیک کرداری عطا فرما۔ ان سب کے پیغاماتِ سلام کو قبول فرما اور ان کے لئے اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دے۔

یا حاجی دعائیں کرتے جاتے تھے اور ہم سب آمین آمین کہتے جاتے تھے۔ دعا ختم ہوئی پھر ہم نے آپ کے یارِ عار اور سب سے بڑے جاں نثار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام فرمایا۔ پھر سیدنا عمر فاروق کے روبرو حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ اس کے بعد جنت البقیع میں داخل ہوئے۔ حضرت یا حاجی نے یہاں بھی چند نقطے گوش گزار کئے۔ فرمایا کہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی اور قبتہ الرسول کے بعد سب سے اہم مقام یہ جنت البقیع ہے جس پر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے کتنے ہی صحابہ کرام کو یہاں دفن ہے۔ اس میں بقیع سے قبل القدر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، اولیائے کرام مدفون ہیں۔ ہم نے سب سے پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حرارہ پر حاضری دی۔ اس کے بعد مانی علیہ السلام کی قبر مبارک پر حاضری دیا گیا۔ پھر شہداء کی قبروں پر حاضری دلائی۔

وقت عجیب واقعہ نظر آیا۔ چند قبریں کھود کر رکھی ہوئی تھیں۔ حضرت بابا  
 ہی ان قبروں کے پاس بیٹھ گئے اور اپنی چھڑی مبارک سے قبروں کی لمبائی  
 پوڑائی اور گہرائی ناپنے لگے۔ پاکستان کی نسبت یہ قبریں کچھ چھوٹی تھیں۔  
 فرمانے لگے کہ ان چھوٹی قبروں میں حساب کتاب کے وقت مڑہ کیسے اٹھتا  
 بیٹھتا ہوگا۔ اس پر حاجی فضل الہی صاحب جو اس بج سے کہ راوی ہیں فرمانے  
 لگے کہ باباجی قبیلہ! اس مدینہ کے قبرستان میں مدفون کا حساب کتاب نہیں۔  
 حساب کتاب تو پاکستان یا دیگر ممالک میں ہوتا ہے۔ یہاں کی موت تو ہر  
 انسان طلب کرتا ہے۔ بہر حال باقی قبور کی زیارات سے مشرف ہوئے اور  
 فاتحہ پڑھتے ہوئے گھر واپس آ گئے۔

دوسرے دن زیاراتِ مدینہ کے لئے گھر سے نکلے۔ مسجدِ قبا، مسجدِ شمس،  
 بیتر عثمان، مسجدِ قبلتین، باغِ سلمان فارسی، پیرانا کنواں، مزارِ حضرت  
 امیر حمزہ، غارِ سجدہ، جبلِ احد۔ ان سب کی زیارات سے مستفید ہوئے  
 نوافل ادا کئے اور دعائیں مانگیں۔

جب آخر میں غارِ ثور کے قریب پہنچے تو حاجی فضل الہی نے کہا اور  
 عرض کیا کہ باباجی! اب ہمیں اس غار کے اوپر چڑھنا ہے۔ اس غار میں  
 سرکارِ مدینہ نے تین دن صبح و شام اللہ تعالیٰ کے دربار میں سجدوں میں  
 گزارے تھے اور آج تک یہ غار اسی طرح ہے۔ باباجی فوراً فرمانے لگے  
 کہ میں ضرور اوپر جاؤں گا۔ چنانچہ خداوند کریم کے فضل و کرم سے اس طرح  
 چڑھ گئے جیسے ایک جوان آدمی چڑھ جاتا ہے۔ اس پیرانہ سالی میں

اتنا اونچا چڑھ جانا یہ بابا جی کی کرامت تھی۔ اس کے بعد کئی روز جاتے رہے اور زیارات سے مستفید و مشرف ہوتے رہے۔

## جدہ کو واپسی

آخری روز جب دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے واپسی ہونے والی تھی اور آخری درود و سلام پیش کرنے گئے تو درود و سلام اور شفا کی درخواست کرنے کے بعد ہم ریاض الجنّت میں بیٹھ کر دعائیں کر رہے تھے تو حضرت بابا جی نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ حاجی فضل الہی! تو نے آج میرا حق ادا کر دیا ہے۔ آج میں روضہ رسول پر ریاض الجنّت میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور بیٹھ کر تمہارے حق میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دین اور دنیا کی نعمتوں سے مرشار کرے، خوشیوں سے بھنکار کرے۔ میں نے اپنی کوتاہیوں اور دل شکنیوں کی والدین کو اس سے معافی مانگی جو انہوں نے کمال شفقت سے مجھے معافی عطا فرمادی۔ یہ سب خدا کی دین ہے جو مجھے نصیب ہوئی۔ وہ سب کی سب اسی ریاض الجنّت کی دعاؤں کا صدقہ ہے۔

واپس گھرانے تو معلم حیدر الہدی سے ملاقات کرنے ان کے مکان پر گئے اور معلم صاحب سے دعا کی درخواست کی معلم صاحب دعا کرنے کے بعد بابا جی سے دعا کی درخواست کی۔ بابا جی نے بھی دعا کی معلم صاحب نے چائے پیش کی۔ چائے کے بعد اجازت لے کر



ہم اپنے گھر آگئے، اپنا سامان وغیرہ باندھا اور مدینہ سے حدّہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ ایک روز حدّہ میں قیام کے بعد کراچی آ گئے۔ اس طرح حضرت باباجی کا تیسرا سفر حج کبارک بخیر و خوبی اہتمام پذیر ہوا۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ



## باباجی سے دوستی کی نظر میں

از قلم فاضل نوجوان مولانا مولوی حافظ محمد اصغر صاحب قصوی  
فاضل جامعہ ضرویہ لائل پور (فیصل آباد)

باباجی سے میری نظر میں ان لوگوں میں شمار ہوتے ہیں جو مرگ بھی زندہ رہتے ہیں۔ باباجی سے میرے آبائی تعلقات تھے اور میں کیونکہ میرے بزرگ اور باباجی ایک ہی شہر اور ایک ہی لہتی میں رہا جس پذیر تھے۔ میرے والد بزرگوار مرحوم بھی باباجی کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ باباجی سے میری نظر میں ولی کامل تھے کیونکہ ولی کامل وہ ہوتا ہے جو حلال روزی کما کر کھائے اور پابندِ صوم و صلوات ہو بخلاف سنت

کوئی کام نہ کرے۔ مندرجہ ذیل حدیث پر پورا اترتا ہو۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں

میری نظر میں وہ ان باتوں کے پابند تھے اور حال تھے۔ بابا

حی بہت بڑویار، متحمل فراج اور کم گوتھے۔ ان کے آخری وقت تک بند

کو ملاقات کا موقع ملتا رہا۔ ہر موقع پر مجھے یہی فرماتے حافظ صاحب

کوئی دین کی بات سناؤ۔ تو بندہ کبھی نماز کے مسائل سنانا کبھی حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے متعلق بیان کرتا۔ آپ بابا حی نماز کے مسائل

پر زیادہ زور دیتے۔ ایک دن میں نے عرض کی تیا حی! آپ نماز کے

مسائل پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ فرماتے لگے، حافظ صاحب! اس میں

تو کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ پھر فرمایا مجھے نماز کے مسائل سن کر سکون

آتا ہے۔ ایک روز میں نے پوچھا، تیا حی! کیا آپ بچپن سے ہی نماز

پڑھتے ہیں؟

آپ نے مجھے دو جواب دیئے۔ ایک جواب تو ان کی آنکھوں سے

ملا جو چپکتے ہوئے آنسوؤں سے رہے تھے۔ دوسرا جواب ان کی لہرتی ہوئی

زبان سے میرے کانوں تک پہنچا۔ فرماتے لگے حافظ صاحب! دعا

کرو، اللہ تعالیٰ میری نمازی قبول کرے۔ آپ نے فرمایا۔ میری عمر ایک

سوسال سے تقریباً پندرہ بیس برس اوپر ہو چکی ہے۔ جیب سے

جوان ہوا ہوں اس بڑھاپے تک میری کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بہت بڑا فضل عظیم ہے۔ ایک اور بات مجھے خود ہی بتادی۔ بتاتے لگے، اللہ کے فضل سے میں نے بحین سے لے کر آج تک نہ ڈرھی منڈوائی ہے نہ کترانی ہے۔ (ایک واقعہ لکھنے پر بندہ مجبور ہے)۔ کیوں کہ ہے

دل سے جو بات نکلتی ہے اتر رکتی ہے

پر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

آپ کی شفقت و پیار کا ایک واقعہ عرض کرتا ہوں کہ ایک روز باباجی، بھائی محمد نواز اور چند دوست مدینہ آئیں فیکٹری میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دوران میرے اور حاجی محمد شفیع صاحب کے درمیان تلخ کلامی ہو گئی۔ اس وقت باباجی کی پریشانی کا یہ عالم تھا کہ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ اس کے بعد میں اور حاجی محمد شفیع صاحب ایک دوسرے سے بات چیت ختم کر بیٹھے مگر بندہ باباجی سے حسب سابق ملنا رہا۔ ایک روز باباجی کا رخا نہ میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے میں گیا اور باباجی کو السلام علیکم کہہ کر بیٹھ گیا۔ وہ فرمانے لگے کہ حافظ صاحب تم بھی میرے بیٹے ہو۔ محمد شفیع بھی میرا بیٹا ہے۔ ایک بات اور کہی جو مجھے بھول گئی ہے۔ پھر مجھے پیار دیا اور شفقت پھرے لہجے میں فرمایا، حافظ صاحب! مجھے ملتے رہا کرو۔ بچوں سے ایسی باتیں ہو ہی جاتی ہیں۔ تم تو دونوں سمجھ دار ہو تم دونوں کے لئے میرا پیار میری شفقت ایک جیسی ہے۔ انھوں نے یہ پیار پھرے الفاظ ایسی

سے ادا فرمائے کہ میرے دل کی گہرائیوں میں اتر گئے۔ وہ الفاظ کی  
تھتے اب وہ ایک نور بھری شفا تھی جو میرے جسم خاکی کو پیرتی ہوئی میرے  
دل پر اتر کر گئی۔ اور آنسوؤں کی صورت میں میرے دل پر اتر گئی۔ دل  
کا بوجھ مٹا کر اسے ہلکا کر گئی۔ دل کی پتھریلی چٹان کو ہلکا کر گئی۔  
پھر فرمانے لگے، بیٹا! مجھے قرآن سناؤ۔ جب میں قرآن سنانے  
لگا تو فرمانے لگے، اس طرح سناؤ جیسے ختم میں پڑھتے ہو۔ جب میں  
نے قرأت کی تو بابا جی پر رقت طاری ہو گئی اور رٹنے لگے۔ میں خاموش  
ہوا تو بابا جی فرمانے لگے، حافظ صاحب! خاموش ہو گئے ہو؟ میں  
نے عرض کی، تاجا جی! آپ کی صحت پہلے ہی خراب ہے۔ اس حال  
میں آپ کا رونا اچھا نہیں۔ اس سے آپ کی صحت مزید خراب ہو  
جائے گی۔ آپ نے فرمایا، حافظ صاحب! یہ آنسوؤں کے نہیں۔ یہ  
رونا آجائے تو صحت آجاتی ہے۔ یہ آنسو حضرت عمر کی سنت ہے۔  
قرآن مجید کے ساتھ آپ کا یہ لگاؤ تھا! آپ کی صورت اولاد میرے  
دلیوں جیسی تھی ہے

زمین کی سطح پر دیکھتے ولی تھے  
آنخوش موت میں دیکھتے کلی تھے

اللہ تعالیٰ انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی  
اولاد کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین تم آمین!

احقر العباد حافظ محمد اصغر۔ کوٹ میر بازار خاں قصبہ

حضرت مولانا محمد الومی صاحب صابری

امام مسجد جامعہ رحمانیہ کوٹ فتحین خاں قصبہ و

خطیب جامع مسجد نورانی محصول چوکی ملتان لاہور

کے خیال میں

مجھے باباجی کو قریب تر ہو کر دیکھنے کا موقع ملا تو میں نے ان کو  
 خشیتِ خداوندی میں مستغرق پایا۔ باباجی کے دل پر ہر وقت خوفِ خداوند  
 کو غالب پایا۔ اس قدر دولت کی ریل پیل کے باوجود کبھی ان کے  
 دل میں غرور نے دخل نہ پایا۔

گرمی کا موسم تھا اور دوپہر کا وقت، میں باباجی کے پاس بیٹھا  
 ہوا تھا کہ یاہر سے ایک آدمی نے آکر ٹھنڈا پانی مانگا۔ ٹینک پر سے  
 ملازم نے اسے آواز دی کہ بابا! یہاں کوئی ٹھنڈا پانی نہیں۔ سامنے  
 برف والا کھڑا ہے اس سے برف لے کر ٹھنڈا پانی پیو۔

جوں ہی یہ تلخ جملہ باباجی کے کانوں میں پڑا، آپ کسی سے ٹیک لگا کر  
 بیٹھے ہوئے تھے، فوراً اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ میں سمجھا کہ باباجی ٹینک میں

کو ڈانٹ پلائی گے یگر چانک میری نگاہوں نے دیکھا کہ باباجی یکتے ٹیک  
 کی طرف جانے کے باہر کی طرف تیزی سے چل دیے۔ میں نے جلدی سے  
 اٹھ کر عرض کی کہ باباجی! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ اگر کوئی خدمت ہو تو بندہ  
 حاضر ہے۔ آپ وہیں دھوپ میں ہی کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ  
 مولوی صاحب! آپ نے سنا کہ اس آدمی نے کتنا بڑا جواب دیا ہے اور  
 مجھ سے اس کا یہ تلخ رویہ برداشت نہیں ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس قدر  
 انعامات کئے ہیں کہ ان کا شکر ادا کرنا تو درکنار، میں تو انہیں شمار بھی نہیں کر  
 سکتا۔ اور میں نے اپنے مالک کے انعامات کا یہ احسان مانا ہے کہ میرے  
 ملازم نے ایک راہ گیر کو پانی کے ایک گلاس کا دینا بھی انکار کر دیا ہے۔  
 میں نے باباجی کو آرام سے کرسی پر بٹھایا اور کہا کہ باباجی! آپ تشریف  
 رکھیں میں ابھی سامنے خبردار سے برف لاتا ہوں۔ اس پر باباجی نے مجھے  
 یہ کہہ کر روک لیا کہ مولوی صاحب! آپ صاحبِ علم ہیں اور میں اپنے دل  
 میں آپ کی قدر کرتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ باباجی یہ بھی آپ کا حسن ظن  
 ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔

العقبتہ، ہماری یہ گفتگو سن کر باباجی کا وہ ملازم ٹینک سے نیچے آیا اور  
 برف لا کر اس کو پانی پلایا۔ اس کے بعد باباجی میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا  
 لگے کہ مولوی صاحب! میں نے آپ کے استاد مولانا عبدالرحمن صاحب  
 سے باغ والوں کا قصہ سنا ہوا ہے۔ جب سے میں نے ان کی زبانی یہ  
 واقعہ سنا ہے، ہر وقت اللہ کے قہر و غضب سے بے حد ڈرتا رہتا ہوں۔



بیچ ہے

بیچ ہے کہ جو خوفِ خدا سے لرزتا ہے  
رحمتِ حق کا سایہ ہر آن ان پر پڑتا ہے  
اور یہ اس خوفِ خدا کا ثمرہ ہے کہ آج بھی اس گلشنِ نور محمدی میں  
مجھے دین و دنیا کی جھک جھک نظر آتی ہے۔ میری خدا سے دعا ہے کہ  
خداوندِ عالم اس گلشنِ نور محمدی کو تا قیامِ قیامت قائم و دائم اور تروتازہ  
رکھے۔ آمین!

محمد انور میمن امام مسجد رحمانیہ  
کوٹ فتنہ بین خاں قصبو

جناب حکیم محمد صفد علی خاں صاحب کاخراج عقیدت  
عاجی محمد نواز صاحب انجمنہ درجہ اول برادرِ حقیقی حاجی محمد شفیع صاحب  
سابق بی ڈی نمبر و مالک مدینہ آئس فیکٹری اڈا کھیکرن والا قصبو کے فرمان  
کے مطابق کہ میں ان کے والد ماجد اکھاج نور محمد صاحب انجمنہ کی شخصیت  
کے متعلق "بعنوان بابا حاجی میری منظر میں" ان کے حالات زندگی پر روشنی ڈالوں  
میری قلم میں اتنی قدرت اور میرے ضمیر میں ایسی شجرات کہاں کہ میں ایک  
شخص بابا حاجی جیسی شخصیت کے بارے میں کچھ لکھوں مگر میں تو  
خدا تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسے شخص کی سوانح حیات

خوبیاں و صلاحیتیں لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں بابا جی کو چھپن ہی سے دیکھتا چلا آ رہا ہوں۔ خاص کر بابا جی کی اہلیہ مرحومہ، حکیم عمر دین صاحب کی اہلیہ، حاجی فضل دین صاحب کی اہلیہ اور میری والدہ صاحبہ کے درمیان خاص پیار و محبت تھا۔ یہ آپس میں بہنیں بنی ہوئی تھیں۔ اکثر اوقات ان بزرگوں کو اپنی والدہ ماجدہ کے پاس بیٹھے دیکھا کرتا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے اور مجھے یاد ہے کہ بابا جی کی اہلیہ مرحومہ نے والدہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ مجھے میری والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ فلاں مریم بی بی حکیم عمر دین صاحب کی اہلیہ کو بلا لاؤ۔ میں انہیں لے آیا۔ ان سے میری والدہ نے کہا کہ بہن اللہ رکھی شکایت کرتی ہے کہ تم نے جو رشتہ کوٹ عثمان خاں کرنے کا ارادہ کر لیا ہے، یہ ٹھیک نہیں ہے۔ رشتہ بہن اللہ رکھی کے لڑکے محمد شریف سے کرنا ہو گا۔ حکیم صاحب کو میری طرف سے کہہ دو کہ کوٹ عثمان خاں والوں کو جواب بھیج دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ والدہ صاحبہ نے کہا کہ آج رات مبارک اور دودھ پلانے ہے۔

یہ اس وقت کے بزرگوں کا زمانہ تھا جن میں ایک دوسرے سے جلا غلوں، محبت اور پاکیزگی پائی جاتی تھی اور ایک دوسرے کی عزت کا احسان ہوتا تھا۔

جب حاجی محمد شفیع صاحب نے بی بی ڈی ممبر کا الیکشن بھارت چھوڑ کر منظور احمد ایڈووکیٹ ایو بی دور میں لڑا تو حاجی صاحب کو کامیابی ہوئی

ان دنوں حاجی صاحب سے اس قدر دوستی ہو گئی کہ جس سے خاندانی تعلقات مزید پاستوار ہو گئے اور ہم دونوں دوست اندرون کوٹ فتح دین خاں سے رہائش تبدیل کر کے بیرن کوٹ فتح دین خاں میں رہائش پذیر ہو گئے۔ ہماری دوستی نہایت شدت اختیار کرتی چلی گئی جس کی وجہ سے باباجی کو بہت قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہا بلکہ کافی وقت ان کے ساتھ گزارنا برف والا میں کٹتا۔

باباجی ایک انجیئر تھے اور اپنے فن میں کما حقہ مہارت رکھتے تھے۔ ہم ہر سال کی عمر میں بھی کارخانہ داران کی فنی مہارت سے فیضیاب ہوتے رہے۔ ان کا اکثر وقت پتو کی می روئی کے کارخانہ میں گزرا۔ اپنے دست مبارک اور محنت سے کمائی ہوئی دولت کو بچوں پر صرف کرتے رہے۔ آپ بچپن سے ہی صوم و صلوات کے پابند اور شرحِ محمدی کے عامل رہے۔ نہایت درجہ خلیق اور شریف النفس انسان تھے۔ اپنے زمانہ میں اپنے قبیلہ کی عظیم ترین شخصیت تھے۔ لوگوں سے بڑی نرمی سے پیش آتے اور ان سے اچھا برتاؤ کرتے تھے۔ نہایت ہی نیک اور متقی تھے۔ آپ علم اور کرم سے مخالفین اور معترضین سے پیش آتے اور ان سے درگزر فرماتے۔ رحم دل تھے کیونکہ آپ نو عمری سے ہی اپنے اندر رحم دلی کا جذبہ رکھتے تھے بڑے حساس طبیعت تھے۔ آپ کے اندر علم و کرم کے علاوہ فصاحت، امن، عدل جیسی بے شمار صفات موجود تھیں۔ آپ سنجیدگی، متانت اور تہذیب کا گوارا رکھتے۔ آپ کی زبان سے کوئی فحش بات کبھی

نہیں سنی گئی۔ متانت، مہذب، دیندار مسلمان کی طرح غمی نشی، لغویا سے اور بدکلائی سے آپ کو نفرت تھی۔ آپ بالکل سادہ لباس کرتے اور تہمتا پہنتے اور سر پر بزرگانہ عمامہ ہوتا تھا۔ اکثر و بیشتر حد درجہ سادہ زندگی بسر کرتے رہے۔ ذاتی معاملات میں بھی باباجی امن اور انصاف کو ملحوظ نہ جانے دیتے تھے۔ عمر کے آخری دور میں دو بیٹیوں اور ایک داماد کی ہوتے آپ کے نثرین دل کو راکھ کر دیا اور ان کی مفارقت سے آپ کو بیت رنج و ملال پہنچا جس کی وجہ سے آپ کے چہرے پر اس قلبی اذیت کا اظہار صاف طور پر اکثر دیکھنے میں آتا رہا اور باوجود بواسیر کی مرض کی شدت کے آخری وقت تک باجماعت نماز ادا کرتے رہے۔ شدت مرض سے کبھی کبھی اس مہول میں فرق بھی آجاتا۔ آپ ہمیشہ بیٹیوں اور مسکینوں کی خدمت اور خیر گیری پر مستعد رہتے۔

اللہ تعالیٰ نے باباجی کو رفیقہ حیات بھی بڑی دین دار بخشی تھی۔ وہ احکام شریعت کی بڑی سختی سے پابندی کرتی تھیں۔ پردہ کی پابند تھیں۔ نہایت ہی عنفوان، شریفیہ، صدیقیہ تماماتوں تھیں اور اولاد بھی نیک سیرت اور نیک افعال کو جنم دیا جو ان کے نیک سیرت ہونے کا ثمری ثمر ہیں۔ دولت و ثروت کی بہتات و فراوانی کے باوجود کبھی نیک سیرت دین دار اور پابند صوم و صلوات میں۔ تمام اولاد اور کورج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہے اور ہر ایک کی سادہ زندگی باباجی کے جتنی جھٹکی اور مزگی ہوئے ہیں منظر ہے۔ اور کیوں نہ ہو، جس نے ایک ایسے پاک نفس اور شفیق کے

خَلِّ عَاطِفَتٍ مِی شَعُورِکِی آنکھیں کھولی ہوں جس کی ساری زندگی بے  
کلفت گزری ہو۔ اور سادہ ہو۔

وَعَاوَسَ کَہ اللہ تعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا  
فرمائے۔ یا باجی کی اولاد کو باجی کے تقش قدم پر زندگی بسر کرنے کی  
توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

احقر حکیم صفد علی

نعمی دواخانہ

یرون کوٹ فتح دین خال قصو

طبعزاد، قطب الشعر ارفنشی مہر الدین مہر صا

قصوی مصنف پیار دی گل کے دلی جذبات

یا با نور محمد مرحوم و مغفور رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ضروری عرض منجانب  
مصنف پیار دی گل سے

اشعار

گل حق دی کرن جوان بندے حضرت اقبال دے شعر میں پڑھے ہوئے  
ایویں و اشکات نہیں ماردا میں میرے بول ایہ تڑکڑی پڑھے ہوئے  
سخن سوئی میدان دیوچہ چمکن ایسپر حق اتے چہرے گھڑے ہوئے  
ہاں کوہ بھرباتی نہیں حرص لالچ میرے سینے جذبات اٹے ہوئے  
نور محمد ولی اللہ دا حال لکھنا جس وچ ذرا اللہ رورحایت ہووے  
کوئی منے یا ایس توں نہ منے میری لکھت تے نہ شکایت ہووے

۱

نور محمد سی اللہ دانیک بندہ عزت نال بھراوا نوچہ بہن والا  
پیدا ہو یا سپوت گھر باپا بندے گل حق دی بچن توں کہن والا  
نیک خوتے سادہ لباس رکھیا چلی بھگی توں اوہی ترن والا  
ایہ عات سنی بچن توں خوبا و ہدی گل حق دی منہ تے کہن والا  
مختصر سا واں میں حال اوہدا پانواں روشنی و سدی زندگی تے  
اکھیں ڈٹھا میں حال بیان کر ساں صد آفرین سدی بندگی تے



کے بچپن توں اپنے اتیر تیر پنچے وقت نماز ادا کیتی  
 جیڈ اثراق نماز اس قائم رکھی شک نہیں کہ کدی قضا کیتی  
 مہ پین سلوک دارمیا جگ تے کسے مال نہ اوہنے جفا کیتی  
 یں پو تال رکھیا سلوک سوہنا مال خدمت دے پوری وفا کیتی  
 عرض دیکھے ارج حال اوہدا وادہ پیا کوں اوہے وگ اند  
 عاماپیاں دی اسپنوں تار دتا چودہ چند لگے اوہدی پک اند

تاں پوتیا ندے لائے بھاگ رب نے دولت دنیا والی نہیں تھو دس دی  
 بھے پیت پوتے نے سو لگا ویدے اینہاں چہ نہیں ہستی اگھوڑ دس دی  
 عش قدم اُتے ارج ہین سبھے آپس فرخ نہیں توڑتے پھوڑ دس دی  
 لیتا بولن بالا اوہدار ب جگ تے نہیں کوئی حکم وچہ توڑ مرور دس دی  
 ہس دی نیک اولاد و فادار ہوئے اوہ جنتی نہیں تاں ہو کی اے  
 مالیشان رخصہ جدا جگ اُتے نزول رحمت نہیں اُستے تاں ہو کی اے

یناں مرشد دے راہ نہیں ہمتہ آوندا دودھ باہجہ نہ رچھد کھیر کہندے  
 جیوے قبر جیدی اسپں جگ اندر عاف کامل تے اوہنوں فقیر کہندے  
 ہندی دعاید دعا وچہ اثر ہوئے عقلمند اوہنوں کامل پیر کہندے  
 وانگ کونج ہندی نظر کنھیاں ایں اوس نظرنوں اعلیٰ اکسیر کہندے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِنَّمَا نُوْحِدُكَ نُوْرٌ مِّنْ نُّوْرِ رَبِّكَ اِنَّمَا

(۵)

دفن ہوئے نوں گزے دوسال جدوں قبروں اوہدی نوں فضلوں شکاف آنا  
 وکھن والیاں نوں ڈٹھا غور کر کے تازہ دفن ہو یا نظریں صاف آ یا  
 ذرا بھرنہ کفن وچ فرق آیا کتھوں نے کے اوہ اوصاف آ یا  
 قدت کاملہ دی ایہ سب مہربانی اہلے فضلوں ہو کے پاک صاف آ یا  
 معلم ہو یا محبت خدا داسی اوہدی رحمت نے اس تے نزول کیتا

(۶)

اوہدی رضا اتے ثابت قدم رہ کے کئی جگہ وچ فیض اٹھا گئے  
 کامل پیراندے رہ کے داس مدتوں منزل عشق حقیقی نوں پا گئے  
 رخصت ہو او ایس جہان وچوں پاک صاف ہو پنج بقا گئے  
 بچے اوہ سب خوف تے خطر باں توں بھانویں قبر وچ مٹھ لٹکا گئے  
 نور محمد وی لیکے مثال ایہو داخل ہو یا جا ہنکاں دے داس اندر  
 اوہدے بدن کیویں آکرم کھائے اوہدی رحمت دی ہو مے جے راس

(۷)

نور محمد خدائے فضل سیتی تیری قبر اندر نوروں نور ہو  
 بھلاں تیریاں کر لے معاف اللہ قبر حشر خطرہ تیتھوں دود ہو  
 وچ مقبولان دے رعبے رسائی تیری ملاقات تیری تال حضور ہو

ہدی ہر وچ و سیں توں شاد ہر دم خدمتگاری صد خور ہوئے  
 ہدی تیری اولاد تے خیر ہوئے ساری سکھ پاویں دوہاں اند  
 بدے فضلاں دی رہ بہار سب لچھے رہن سب صدق ایمان اند

۸

نہ ثبوت اوہدی پارسائی دالے مدت باہمہ وی تیر وچ پیا اونویں  
 بے کفن نوں نہیں کوئی ذرہ بہنچی اوہ وی صاحب ستمرا دیکھے پیا اونویں  
 نی بھینی خوشبو سی قبر اندر ہار پھلا نوالہ تازہ پیا اونویں  
 نہ پاک سوہتا جس تے کرم کرے بندہ اوہدی کرے تعریف کیوں نہ  
 فی شاہدے کوکوں بیان سن کے سچی گل نوں متے تعریف کیوں نہ

۹

دعا میری آخر کار ایو خاتمہ مسیبرا با ایمان ہوئے  
 فضل تے کرم رہ ساتھ شامل وقت نزع دا ڈاڈا آسان ہووے  
 وچ خدا آرام بخشے ، حشر ویلے لطفوں ہریان ہووے  
 رے ہنگام وچ گنتی ہووے ساڈی راضی اُسال تے رب رحمن ہووے  
 ی ہر کھتیں ہر نوں ہر کرنے تائیش پائے ایہ حق دے دین اند  
 ے امید دعا منظور کرسی کامل صدق اے میرے یقین اندر  
 ضی اوہدی رضاتے رہ کے تے سوہتا زبدر وقت تو باں کیتا  
 ملا ہو یا جسے پانی نجات تونے غم نہیں جسے سانوں اُداس کسیتا

# حضرت باباجی کا سفر آخرت

خداوند کریم کا ارشاد ہے :

إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْجِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ

ترجمہ : جب کہ وقت اجل آجاتا ہے نہ ایک ساعت پیچھے ہوتا

ہے اور نہ ایک ساعت پہلے۔

بندہ نے باباجی کے تین سفر حج کو بڑے ذوق و شوق سے رو

طبع سے قلمبند کیا ہے۔ آج جب باباجی کا سفر آخرت لکھنے بیٹھا ہوں

تو دماغ ماؤت اور ہاتھوں میں شدتِ غم سے رعشہ کی کیفیت پیدا

ہو گئی ہے۔ قلم کی روانی میں رکاوٹ، الفاظ میں بے ربطی، طبیعت

ناساز نڈھال، دماغ عجیب عجیب کیفیتوں سے دوچار۔ بہر حال

وند کریم کے مندرجہ بالا ارشاد پر عمل کرتے ہوئے قلم کو غنیش دی ہے

دعا ہے کہ اے پروردگار مجھے صبر و استقامت بخش کہ تیرے اس نیک

بندے کے سفر آخرت کی تھوڑی سی جھلک آشکارا کر کے ضبطِ تحریر

لا سکوں۔ وفات سے چند سال پہلے آپ کا بڑا لڑکا اسلام دین ۷۵

کی عمر میں دماغِ مفارقت دے گیا۔ اسلام دین جسے آپ بڑے پیار سے

اپنا ولی عہد کہا کرتے تھے، پہلی زوجہ محترمہ سے تھا اور اس کی والدہ

بچپن ہی میں فوت ہو گئی تھی۔ اس وجہ سے بھی باباجی ان سے بہت پیار  
 محبت اور شفقت فرمایا کرتے تھے۔ اسلام دین کی موت کے جاگنا  
 صدمہ کا باباجی کے دل پر بہت صدمہ ہوا۔ طبیعت پر وقت نہ ڈھال  
 اور مضمحل رہنے لگی۔ اسی صدمہ سے سینے میں درد رہنے لگا حتیٰ کہ دل  
 کا سائز بڑھ گیا۔ دل کے علاج کے لئے دل کے سپیشلسٹ ڈاکٹر اشفاق  
 احمد کے کلینک اچھرہ کے قریب داخل کروا دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ٹری محنت  
 اور دلجمعی سے علاج کیا جس سے کافی افادہ ہو گیا۔

ابھی اسلام دین کی موت کے صدمات کے زخم مندمل نہ ہونے  
 پائے تھے کہ صیادِ اجل کے بے رحم پنجہ نے پھر انہیں چھیدا دیا۔ یعنی  
 تقریباً ایک سال بعد آپ کا ایک نہایت زبردست فرما نیردار بیٹا حاجی محمد حسین  
 بھی آپ کو داغِ مفارقت دے گیا۔ اس بیٹے کی الم ناک اولیٰ وقت  
 جوانی کی ناگہانی موت سے دل بڑی طرح مضمحل ہو گیا۔ دل کو استفادہ  
 دھچکا لگا کہ پھر طبیعت سنہیل نہ سکی۔ صیادِ اجل نے یہ جو تیر مارا تھا وہ  
 پہلے سے کہیں گھناؤنا تھا۔ دل پر غم و اندوہ کے کالے بادل چھا گئے  
 چپ کا ایسا روزہ رکھا کہ پھر طبیعت سنہیل نہ سکی۔ ایک دو ماہ تک  
 جب ایسی حالت رہی تو ایک روز فرمانے لگے کہ آج میرے والدین  
 رات کو آئے تھے اور مجھے اشارہ کرتے تھے کہ آؤ، ہمارے ساتھ چلو۔  
 پھر ایک دن کہنے لگے کہ آج حاجی محمد حسین مرحوم گاڑی لے کر آیا تھا  
 مجھے کہنے لگا کہ باباجی میں آپ کو لینے آیا ہوں۔ گاڑی میں بیٹھو اور

چلو۔ چارپائی سے اٹھ کر بیٹھ گئے اور پھر چلنے کے لئے اٹھے تو اس وقت بھائی حاجی محمد شفیع صاحب جو پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے، نے پوچھا کہ بابا حاجی اتنی بے تابی کیوں۔ فرمانے لگے کہ بابا حاجی محمد حسین گاڑی لے کر آیا ہے اور مجھے بلا رہا ہے۔ لہذا میں جا رہا ہوں۔ کبھی کسی رشتہ دار مرحوم کا نام لے لیتے کبھی کسی اور کا نام لے لیتے۔ خیر کئی دن یہ سلسلہ تو نہی چلتا رہا۔

بالآخر وہ دن بھی آ گیا جو پچ مچ ابدی جدائی کا دن تھا۔ وفات سے ایک دن پہلے فرمانے لگے کہ میرے دل کے پاس سے درد اٹھ کر بازو کی طرف جاتا ہے۔ چنانچہ دوائی لا کر پلائی اور مالش بھی کر دی۔ کچھ افاقہ ہوا۔ رات کے وقت حاجی محمد شفیع آپ کے پاس سوئے۔ رات گزر گئی۔ صبح حسب معمول تہجد کے وقت بیدار ہوئے، وضو کیا اور اپنی مخصوص جگہ پر تہجد کی نماز ادا کی۔ پھر درود و وظائف میں مشغول ہو گئے۔ راتم الحروف حسب معمول صبح کی نماز کے وقت حاضر ہوا اور برادرم محمد شفیع صاحب سے رات کے گزرنے کا حال دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ رات ٹھیک سے گزر گئی ہے۔ چونکہ بابا حاجی کی بینائی کچھ کمزور تھی اس لئے میری آواز پہچان کر فرمانے لگے کہ محمد نواز آیا ہے میں نے کہا حاجی ہاں! فرمانے لگے کہ میں اب ٹھیک ہوں۔ اچھا! کام پر جاؤ۔ سپرد خدا۔ دمیں ان دنوں لاہور میں نجیروکی ہسپتال گھٹی منزلیں ملازم تھا اور روزانہ شام کو گھر آ جاتا تھا۔ مجھے



معلوم تھا کہ والد صاحب سے یہ میری آخری ملاقات ہوگی جس کی  
 یہ سے ان کے یہ آخری دعائیہ کلمات مجھے عطا ہوئے تھے۔ تقریباً  
 بچے کے قریب حاجی محمد شفیع صاحب نے لاہور جانے کے لئے  
 بازت مانگی تو فرمایا چلے جاؤ۔ خدا حافظ!

تقریباً دن کے ایک بجے غسل کیا اور نئے کپڑے پہنے، نماز ظہر  
 اکی۔ نماز ادا کرنے کے بعد اپنے پوتے شبیر احمد حاجی محمد شفیع کے  
 (کے) سے فرمانے لگے کہ تم مجھے کلمے سناؤ۔ شبیر احمد نے کلمے  
 مانے۔ کچھ کمی محسوس کر کے فرمانے لگے کہ اب میں کلمے پڑھتا ہوں  
 در تم سنو۔ چنانچہ آپ نے سارے کلمے سنائے اور شبیر احمد سے  
 مانے لگے کہ تم بھی سارے کلمے یاد کرو۔ پھر عصر کی نماز ادا کی۔ یہ  
 ۱۷/۱۰/۱۹۷۱ کا منہوس ترین دن تھا۔ دن کی سفید چادر پر رات کے داغ  
 پھر آئے تھے اور موت گھر کی دیواریں عبور کر چکی تھی۔ بابا حاجی نے مغرب  
 کی نماز اپنے ہوش و حواس کے ساتھ ادا فرمائی اور چار پائی پر لیٹ گئے  
 ان کے بعد آپ کے سانسوں میں کچھ تیزی سی آنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد  
 فوذن نے عشاء کی نماز کے لئے اذان دی طبیعت میں فطری طور پر  
 موم و صلوات کا غلبہ تھا۔ جو نہی کانوں میں اذان کی آواز پڑی تو  
 اپنے پوتے شبیر احمد سے جو کہ اپنے باپ محمد شفیع کی عدم موجودگی میں  
 خدمت کے لئے پیش پیش رہتا تھا کہا کہ مجھے اٹھاؤ اور طہات خانہ  
 میں لے چلو جو کہ کمرے سے متصل تھا۔ چنانچہ شبیر احمد دادا حاجی کو تھوڑا

سہارا دے کر لے گیا۔ آپ نے پہلے طہارت کی اور پھر وضو کیا۔ وقت کرنے کے لئے پاس پڑی ہوئی چوکی پر بیٹھ گئے اور وضو کرنے لگے۔ جب پاؤں دھونے کی باری آئی تو انہیں محسوس ہوا کہ پاؤں میں حرکت ختم ہو رہی ہے۔ لہذا جلدی سے انہوں نے اشارہ کیا کہ میرے پاؤں پر پانی ڈال دو اور مجھے جلدی نماز پر بٹھا دو۔ ایسا کرنے کے بعد جلدی سے باباجی کو سہارا دے کر چار پائی پر بٹھا دیا۔ آپ نے پاؤں پٹھے ہوتے جاتے نماز کی طرف اشارہ کیا تو ان کے چہرے سے مسیحا نے اور کمرے میں موجود گھر کی مستورات نے اندازہ لگایا کہ آپ کو آخری وقت ہے۔ آپ کو فوراً لٹا دیا گیا۔ سب کو میں نے تلقین کی کہ وہ کلمہ شریف کا ورد کریں۔ اس وقت باباجی کے ہونٹ بھی ہل رہے تھے۔ آنکھیں بند تھیں۔ میں نے سمجھا کہ کچھ کہنا چاہتے ہیں کیونکہ اس سے پیشتر انہوں نے کسی دفعہ حاجی محمد شفیع کے متعلق پوچھا تھا کہ وہ ابھی تک قحط نہیں ہیں یا نہیں۔ میں نے آواز دی لیکن جواب نہیں ملا۔ عین اسی وقت برادر مراد حاجی محمد شفیع بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے آتے ہی پوچھا کہ کیا معاملہ ہے ہم نے اشارے سے باباجی کی طرف دیکھنے کو کہا۔ جب ہم نے ان کی طرف دیکھا تو آپ کا چہرہ روشنی میں نہا چکا تھا۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

وقت آگیا تھانے گئی  
آخر مفاقت کا ہمیں داغ دیکھی

اس طرح مورخہ ۷ اکتوبر ۱۹۷۹ء بوقت ۸ بجے رات یہ درویش نصیبت  
انسان ہم سب کو پرنم چھوڑ کر دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ موت  
کی خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔ رشتہ دار، عزیز اور متعلقین ان کی آن میں اکٹھے  
ہو گئے۔ سب کی زبان پر یہ دعائیہ کلمات تھے کہ رحمتِ خداوندی کی بارش  
ہو اس مقدس ہستی پر۔ خدا کی سلامتی ہو اس بزرگ پر۔ ان پر جنت کے  
کے دروازے کھل جائیں۔ رحمۃ اللعالمین کا سایہ ہو ان پر۔

ایک پیکرِ عزم و ثبات، ایک سلیم الطبع، تجربہ کار، مستقل مزاج، عمل  
بالنکلوں بزرگ کا سفرِ آخرت تقریباً ۱۸ سال کی عمر کے بعد پورا ہو گیا۔ اللہ  
تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ اور اعلیٰ علیین کا مقام عطا فرمائے!  
اللہ تعالیٰ اس مردِ کامل کو اپنے حبیب کی قربت نصیب فرمائے!  
آمین! تم آمین!

غسل

آپ کے فرزند حاجی محمد شفیع نے اپنے ہاتھوں سے آخری غسل  
دیا۔ غسل کے بعد جدِ فاک کی کفن پہنا کر آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے  
محمد صدیق کے مکان کے صحن میں مشتاقانِ زائر کی خواہش کے پیش نظر  
نایاباچی کے وجودِ اطہر کو عام زیارت کے لئے رکھ دیا گیا۔ بالآخر ۴ بجے  
سہ پہر نایاباچی کے جدِ فاک کے جنازے کا قافلہ مسجدِ عید گاہ کی طرف

رواں دواں ہوا۔ جتانے میں لوگوں کی کثیر تعداد شامل تھی۔ اس وسیع و  
عریض مسجد و عید گاہ میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔

## جتانے کی امامت

باباجی نے اپنی وفات سے صرف ۳ روز قبل اپنے فرزند ارجمند  
حاجی فضل الہی کو بعرض حج لاہور ایئر پورٹ سے کراچی روانہ کیا تھا۔ حاجی  
فضل الہی باباجی کی وفات کے وقت تک کراچی حاجی کیمپ میں موجود  
تھے اور ابھی ان کی روانگی میں دو دن باقی تھے کہ انہیں فون پر باباجی کی  
وفات کی اطلاع دی گئی۔ اطلاع پاتے ہی حاجی صاحب موصوف فوراً  
بذریعہ ہوائی جہاز لاہور پہنچ گئے۔ پھر لاہور سے قاری محمد اہل خانہ  
کو ساتھ لے کر قزو پہنچ گئے۔ اس طرح جنازے کی امامت حضرت  
مولانا قاری محمد اہل خاں صاحب خطیب قلعہ گوجر سنگھ لاہور نے فرمائی۔  
نماز جنازہ کے بعد قاری صاحب نے حاضرین کو باباجی کی زندگی کے  
مختصر حالات سے آگاہ کیا نیز فلسفہ موت سے متعلق چند ایک مسائل بھی  
ایسے انداز میں بیان فرمائے کہ حاضرین پر رقت کا عالم طاری ہو گیا۔ اس  
جامع اور مختصر و مدلل تقریر میں دنیا کی بے ثباتی کا بیان ایسے پرسوز لہجہ  
میں بیان کیا گیا کہ مولانا کی رقت آمیز تقریر کی تعریف بیان سے باہر ہے۔  
نماز جنازہ اور مولانا محمد اہل صاحب کی تقریر سے فراغت کے بعد  
فرزندان نور و متعلقین اپنے اس محسن عظیم کو کندھوں پر اٹھائے قبرستان

پہنچے۔ آپ کے فرزند حاجی محمد شفیع نے آپ کو اسی لمحہ میں اتارا جو قبلہ  
والد محترم نے اپنی وفات سے تقریباً ۳ ماہ قبل خود اپنی نگرانی میں تیار  
کروائی تھی۔ اس طرح عزوب آفتاب کے ساتھ ہی یہ آفتاب بھی  
سب کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور اپنے پیچھے تقریباً ڈیڑھ صد  
اولاد، بے شمار لواحقین اور ہزاروں مداحوں کو روتا ہوا چھوڑ گیا۔  
ہے دُعا شفیع کی اے عاشقِ رسولِ خدا  
حشر ہو جب برپا تری شفاعت کریں رسولِ خدا

## حاجی محمد شفیع صاحب کا منظوم نذرنا

اے میرے جمن کے باغبان جمن تجھ سے آباد تھا  
تو تھا تو کوئی غم نہ تھا غم سہ کے بھی دل شاد تھا  
جب تو ہم میں موجود تھا اے سربراہِ آلِ نور  
تب تک ہزاروں بلاؤں سے محفوظ رہی آلِ نور  
جب دو ہاتھ اٹھتے تھے تو دعا ہوتی تھی تیری منظوم  
ہائے! اب کہاں سے ڈھونڈ لائیں تجھے اے محمد کے نور  
تیری دعائیں حضرت احمد دین کی دعاؤں کا اثر تھا  
کہتے ہیں جناب احمد دین اپنے وقت کا فقیہہ الاثر تھا

تیری موت دراصل تھی اپنے لئے پیغامِ حیات  
اللہ! اللہ! نور محمد تو بندہ کابل صفات  
پوہ بابا تیرے جانے سے گھٹے اس قدر حالات  
یہ ساختہ شفیع نے کہا حفاظت کر ہماری رب کا نانا  
تیری رحلت یہ جو دیکھا ہر فرد سو گوار تھا!  
جناب محمد نواز و محمد شریف بھی اشک بار تھا  
جناب غلام محمد، محمد حسن، صدیق پر غم مہم قاطری  
ہمشیرہ خورشید بیگم کا دل بھی کرتا تھا آہ وزاری  
حکیم شیر جمیل اور اسلم بھی بھر رہا تھا سو گواہی  
مرحوم اسلام الدین، محمد حسین کی طرف تیرا سفر تھا جاری  
میرے والد محترم! یہ سفر بھی تیرا ہے نظیر تھا!  
قصور کی تاریخ میں تیرا یہ جنازہ لے حد کثیر تھا  
قبل از مرگ الوداع کیا جناب فضل الہی کو  
تا کہ پیغام دے تیرا جا کے اس محبوب الہی کو  
بصد احترام پیش اس نے کیا تیرے پیغام الوداعی کو  
سب گھرانہ پیش کرتا ہے تذرانہ جناب فضل الہی کو  
تیرے وجود کی برکت سے تیرا سب گھرانہ آباد تھا  
تیری خدمت کے صلہ میں آحق شفیع بھی شاد تھا



## بیاد والدِ محترم احجاج میاں نور محمد صاحب مرحوم مدفون

از قلم — حاجی محمد رفیع عفی عنہ

جناب احمد دین صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے  
 جناب نور محمد صاحب آپ تو بے سہارے ہو گئے  
 باپ کی ناگہانی موت نے آپ کو پریشاں کر دیا  
 قدرت نے آپ کی مسرت کا سماں کر دیا  
 حقیقی چچ کو آپ کا استاد بنا دیا  
 تا زندگی اُس نے بھی ساتھ نبھایا دیا  
 دنیا میں پینے کے راز اُس نے بتائے  
 کام کرنے کے انداز بھی کیا خوب سمجھائے  
 ترے کام کو دیکھ کر لوگ حیران ہوتے تھے  
 غمیر یہ دیکھ کر بہت پریشان ہوتے تھے  
 تیرے ذکر کی برکت سے سب کام ہو جاتے تھے  
 تیرے اندازِ بیاں سے غیر بھی رام ہو جاتے تھے  
 زندگی بھر جہاں جہاں آپ نے کام کیا  
 وہیں وہیں روشن اپن نام کیا

تا زندگی تو رزقِ حلال ہی کساتا رہا  
 اسی سے ہی تو اپنا کام چلاتا رہا  
 حلال آمدنی سے تو نے کیا اولاد کو ایسے جواں  
 لے شیخ سوشل سے پیدا ہوتے ہیں آپ جیسے انساں  
 تھا تعلق آپ کا حضرت شیخ التفسیر کے ساتھ  
 یعنی حضرت احمد علیؒ ولیؒ بے نظیر کے ساتھ  
 شیخ کامل کی بیعت سے متبادل میں تیار  
 اس کی عبادتی میں آنکھیں تھیں اشکار  
 باطل کے لئے شمشیر بے نیام تھے حضرت احمد علیؒ  
 لے شیخ قطبِ دہراں تھے حضرت احمد علیؒ  
 قدرت کے بہت نوازا تھا لے سربراہ آلِ نور  
 یعنی کثیر اولاد سے نوازا تجھ کو طفیلِ حضورؐ  
 مکہ کی سرزمین میں بار بار جاتے رہے  
 تو حکر جام سے دل کی پیاس بجھاتے رہے  
 وقتِ رخصت جو منظر آپ کو دکھایا گیا  
 آپ کی زندگی کا یہ تھا حاصل جو سمجھایا گیا  
 تیرے جانے سے اتنا غم ہوا کہ بتا سکتا نہیں  
 اپنا دل کھول کر کسی کو دکھا سکتا نہیں  
 جب رات کی تنہائی میں میں آپ کے پاس ہوتا  
 شیخ کو آپ جیسی زندگی گزارنے کا احساس ہوتا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حل من علیہا فات

ہزاروں سال نرس اپنی بے نوسی پہ رتی ہے  
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سوانح حیات

انٹی حاجن اللہ رکھی زوجہ حاجی نور محمد صاحب مہوم

کا ذکرِ خیر

بے حی

انتم الحروف کی والدہ ماجدہ صاحبہ مرحومہ و مغفورہ راجتہ علیہ

مرتبہ و مؤلفہ

فاک محمد نواز قسوری

# عورت اور ماں

## کس سے بیٹے وہ مائیں؟

قوم اہم شخصیت کے بحران سے دوچار ہے۔ قحط الرجال نے ہمیں اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ جواہل دانش اٹھ جاتے ہیں وہ ایسا غلام جاتے ہیں جو کبھی پُر نہیں ہوتا۔ بظاہر یہ نہانت تکلیف دہ خیالات و احساسات ہیں لیکن اس کا کیا کچھ ہے کہ امر واقعہ یہی ہے۔ اس المیہ کے پس منظر میں ہمیں نئی نسل کی پرورش و تربیت میں خامیاں اور کمزوریاں کارفرما نظر آتی ہیں تو دکھ اور تکلیف کا احساس اور بڑھ جاتا ہے۔

مائیں کسی طور پر بھی اس ہولناک قحط الرجال یا شخصیت کے بحران سے بری الذمہ قرار نہیں دی جاسکتیں۔ بلکہ دیکھا جائے تو اس کی ذمہ داری بنیادی طور پر صنفِ نازک پر ہی عائد ہوتی ہے۔ اگر صورت حال پر کھا جائے تو بھی امر حیاں ہو جاتا ہے کہ آج کی مائیں اپنے فرائض سے غافل و بے خبر ہیں یا پھر جان بوجھ کر اپنے فرائض ادا نہیں کرتیں۔ غافل ہے کہ کوئی ماں اپنے جگر کے ٹکڑوں کو زمانے کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتی۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج پرورش و تربیت کے وہ انداز نظر نہیں آتے جس پرورش و تربیت پر بچے کے مستقبل کا بیشتر انحصار

ہوتا ہے۔ شخصیت کا دار و مدار ماں کی تربیت پر ہوتا ہے۔ آپ اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ جو بات گھٹی میں پڑی ہو، ماہ و سال کی گردشیں اس کے اثرات کو زائل نہیں کر سکتیں۔ یہ بچپن کے اثرات اچھے ہوں یا بُرے بہر حال مستقبل میں آشکارا ہو کر ہی رہتے ہیں۔ ماہ کی گود سب سے پہلی اور سب سے اہم درسگاہ ہے۔ اس درس گاہ میں مستقبل کی شخصیت کی بنیاد استوار ہوتی ہے۔ اس سے کسی ہونہار کے چکنے چکنے پات کی علامات ابھرتی ہیں۔ ان ہی ہاتھوں میں آئندہ کے حکمرانوں کے خد خال تشکیل پاتے ہیں اور یہی بچہ اپنے خاندان کے لئے اور خود اپنی ذات کے لئے کسی درجہ اقاویت و فضیلت و رسانی کا موجب بنتا ہے۔

لیکن آج ہم اپنے ارد گرد کیا دیکھ رہے ہیں۔ ہمارا ماحول اور گھریلو حقائق کن حالات کی نشان دہی کر رہے ہیں۔ نئی نسل کے کثوت کن خامیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ کسی نجات دہندہ کسی معارف قوم کا کوئی ہلکا سا پرتو بھی کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ ہماری ہیں اور اندھیرے پھیل رہے ہیں۔ ایسے میں روشنی کی کوئی مدھم سی کرن بھی دکھائی نہیں دے رہی۔ یہ ہے ہمارا حال جس میں ماضی کے روشنی کے وہ مینار بے ساختہ یاد آجاتے ہیں جن کے اُجالے قافلوں کو بھٹکنے سے بچا لیتے تھے۔ اس قوم کو آخر کیا ہو گیا ہے! کیا اس کی ککھ واقعی اُجڑ گئی ہے؟

قیام پاکستان سے پہلے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خاندان

کے جلیل القدر علماء و مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی،  
 مولانا محمود الحسن اسپر مالٹا، مولانا فاسم نالوتوی بانی دارالعلوم دیوبند، مولانا  
 عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا احمد علی صاحب لاہوری، مولانا عبدالرحمن  
 قصوری، مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ  
 سر محمد اقبال، مولانا ظفر علی خاں اور قائد اعظم محمد علی جناح صاحبان وغیرہم  
 جیسی وہ عظیم شخصیتیں گزری ہیں جن پر جتنا بھی ناز کیا جائے کم ہے جن  
 کی ماؤں نے فرنگی کے دور استبداد میں اپنا دودھ پلایا تھا اور ملک و  
 ملت کے لئے نجات دہندوں کے قالب میں ڈھالا تھا۔ ان عظیم و  
 جلیل القدر رہنماؤں کی ماؤں کے نام اور حالات سے آج ہم نا آشنا  
 ہیں لیکن پس پردہ اور گمنامی میں رہ کر انھوں نے اپنے وہ سپوت قوم  
 کو دیئے جو اسے کامیابی، کامرانی، آزادی و خود مختاری کی منزل مراد  
 تک لے گئے۔ قیام پاکستان کے بعد عورت نے گھر سے نکل کر دوسروں  
 کی نگاہوں کو خیرہ تو کیا مگر اپنے دامن میں کوئی گوہر نہ لاسکی۔ اس  
 بیرونی منظر میں چکا چونڈ تو پیدا کی مگر ملک و ملت کی تارکاب راہوں پر  
 کوئی اجالانہ لاسکی۔ عورت نے اپنے حسن و زیبائش کی دلکشی سے جو  
 تو کیا مگر قوم کو وہ روپ نہ دے سکی جسے محمد علی جوہر یا مولانا ابوالکلام آزاد  
 یا سید عطار اللہ شاہ بخاری وغیرہم کہا جاتا ہے۔ چنانچہ نتیجہ سے آج  
 کی ماں کی پرورش و تربیت کا کہ پاکستان میں گذشتہ سالوں کی طویل مدت  
 کے دوران ایک بھی ایسی شخصیت نہیں ابھری جسے ماضی کی ان جلیل القدر



ہستیوں کے ہم پلہ یا ہم پایہ تو کیا، ان کی خاک پا بھی کہا جائے۔ آج  
لیڈر ہیں تو اقتدار کے بھوکے اور عالم میں تو عمل سے کورے اور  
فساد پر مائل سے

عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلمان نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

مائیں بچوں کی تربیت سے بے بہرہ ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ  
انہیں بناؤ سنگھار خوب آتا ہے اور انہیں مختلف تقریبات و اجتماعات  
میں نمایاں دلچسپی ہے۔ ماضی میں خواتین اپنے بچوں کو اخلاق عالیہ سے  
آگاہ کرتی تھیں۔ ان کے شعور کو اپنی قومی روایات اور مذہبی اقدار سے  
آشنا کرتی تھیں۔ ان کے ذہنوں کو دین کی روشنی سے منور کرتی تھیں اور  
ان کے دلوں کو ملی و قومی درد مندانہ احساسات سے اجاگر کرتی تھیں۔  
وہ بچوں کو اپنے اسلاف کے کارناموں سے باخبر رکھتی تھیں اور بتاتی تھیں  
کہ فاروق اعظم کا دبدبہ کیا تھا اور بن سہن کیا تھا۔ وہ اپنے بچوں کو صدیق  
اکبر کی سچائی، عثمان غنی کی سخاوت اور علی المرتضیٰ کے علم و فضل اور  
شجاعت سے آشنا کرتی تھیں اور ان میں صلاح الدین ایوبی کی غیرت،  
محمد بن قاسم کا جذبہ جہاد، شیو سلطان کی ہمت پیدا کرتی تھیں۔ یہ وہ  
مائیں تھیں جو پس پردہ رہیں، نگاہوں سے اوجھل رہیں، گوشہ گمنامی  
میں رہیں لیکن اس کے باوجود تاریخ عالم میں اپنا نقش دوامی چھوڑ  
گئیں۔ اور آج کل کی مائیں — انہیں آزادی نمائش کی نیلیم پر پائی

تو بے شک کہہ لیجئے مگر اس کے آگے اور کچھ نہیں۔ ماں کو جب خود اپنے مذہب اپنے تمدن، اپنی تہذیب کی روایات و اقدار کی خبر نہ ہو تو ان بچوں کو یہ خبر کیسے ہو کہ وہ کس حیل القدر قوم کے فرزندِ ارجمند ہیں۔

تجھے اس قوم نے پالا تھا آنکھوں میں محبت میں  
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ مہرارا

گھر ایک چار دیواری کا نام نہیں بلکہ ایک تہذیب و تمدن اور معاشرت کا نام ہے اور صرف ماں ہی قوم کی تاخدا اور اسی تہذیب و تمدن کو پروان چڑھانے والی ہے۔ گھر صرف ہانڈی چولھے کو نہیں کہا جاتا بلکہ یہ ایک اولین درس گاہ ہے جس میں دنیا بھر کے مصلحین و قائدین پروان چڑھتے ہیں۔ گھر ایک عظیم، ارفع، مقدس، معاشرت و تہذیب کا گوارہ ہے اور اس کی نگہبان وہ بلند ہستی ہے جس کے قدموں میں جنت ہوتی ہے اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ ہستی ماں کے علاوہ کوئی نہیں۔ آج کی ماں اپنے مقام سے گریز نہ صرف خود کا نکلے اٹھاری ہیں بلکہ اپنی اولاد کے لئے بھی کانٹے بوری ہیں۔ حالات اب بھی سدھر سکتے ہیں عظیم شخصیتیں اب بھی جنم لے سکتی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ عورت گھر واپس آکر بچوں کی پرورش و تربیت کا فریضہ ان خطوط پر انجام دے جن خطوط پر ماضی کی اچھی ماؤں نے انجام دیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مالِ باپ کا ادب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان قرآن و حدیث کی روشنی میں

— نیز —

بزرگانِ دین کے فرمودات

ایک دن نبیؐ نے حلقہٴ اجاب میں یہ لفظ  
 دہرائے تین بار کہ تاک اس کی کٹ گئی  
 اصحابؓ نے کہا کہ یہ کم بخت کون ہے  
 توقیر جس کی حضرت باری میں گھٹ گئی  
 ارشاد یوں ہوا کہ وہ فرزندِ ناخلف  
 گھر جس کے جنت آئی اور آکر پلٹ گئی  
 ماٹے باپے کا جسے نہ بڑھا پلے میں ہونچال  
 اس ناسعید بیٹے کی قسمت اُلٹ گئی

# مان کی دعا

راتے کا اندھیرا دھیرے دھیرے بڑھ رہا تھا۔ بایزید بے بسطائی اچھا  
 کم سن بچہ تھا۔ سبق یاد کر رہا تھا۔ ماں قریب لیٹی تھی۔ اچانک ماں نے  
 سر اٹھایا اور اسے آواز دی جیسے سوتے میں کوئی بولے۔ پانی اب میرے  
 بچے پیس ابچہ اٹھا، گھڑے میں پانی دیکھا، خالی پایا۔ ہمسایہ کے  
 گھر بھاگتا ہوا گیا۔ مگر تمام محلہ کے لوگ سوئے پڑے تھے، اور  
 لڑکا یہ نہ جاننا تھا کہ کسی کے آرام میں محل ہو۔ اچانک اسے خیال آیا کہ  
 ان گھروں کے کونے میں ایک چشمہ ہے۔ بایزید واپس گھر آیا اور  
 گھڑا لیا، چشمہ کی طرف روانہ ہوا اور جلد ہی پانی پھر لایا۔ مگر اب اس  
 کی ماں گہری نیند سو چکی تھی۔ لڑکے نے سوچا، جگانا نہیں جائیے  
 وہ ماں کے بستر کے قریب بیٹھا رہا۔ اس کے ہاتھ میں پیالہ تھا۔ رات  
 کی سیاہی اور گہری ہوتی گئی۔ ماں سو رہی تھی۔

پھر وہ اس وقت جاگی جب صبح کی مسحور فضا میں پرندے  
 چہچہا رہے تھے اور افق پر سُرخ سفیدی میں تبدیل ہو رہی تھی۔ ماں  
 نے آنکھ کھولی تو نیچے کو پانی کا پیالہ لئے سر ہانے پایا۔ ماں کو یاد  
 آ گیا کہ اس نے سوتے میں پانی مانگا تھا۔ فرطِ انبساط سے پھولے  
 نہ سمائی۔ نیچے کو گلے لگا کر خوب پیار کیا۔ اُس کے دل سے دعا

نکلی۔ خدائے رحیم! تو میرے بچے سے ایسے راضی ہو جا جیسے میں  
میں اس وقت خوش ہوں۔ ماں کی دعا قبول ہوئی۔ یہ بچہ آگے چل کر حضرت  
مابزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ونبیائے اسلام کے درخشندہ ستارہ بن کر  
چمکے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ

۱۔ ماں کی طرف سے حج کرنا  
ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا۔ وہ رسول  
خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض  
کیا کہ میری ماں نے حج نہیں کیا تھا۔ کیا میں ان کی جانب سے یہ فرض  
ادا کروں؟  
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حج کرنے کی اجازت  
دے دی۔

## ۲۔ ماں کی فرمائش

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کھجور کی قیمت بہت بڑھ گئی۔ لیکن ایک بار حضرت اسامہ بن رضی اللہ عنہ نے کھجور کے درخت میں تشکات کیا اور اس سے خماز نکالا۔ لوگوں نے کہا، ایسا کیوں کرتے ہو۔ کھجور کا درخت تو اس وقت بہت بیش قیمت ہو گیا ہے۔  
 حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بولے، "میری ماں نے مجھ سے اس کی فرمائش کی تھی۔ اس لئے ماں کی فرمائش کی تکمیل کر رہا ہوں"

## ۳۔ کافرہ ماں سے صلہ رحمی

حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہجرت کر کے مدینہ گئے تو ان کی والدہ جو کافرہ تھیں ان کے پاس آئیں اور مالی مدد مانگی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا وہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہیں۔  
 آپ نے فرمایا، "ہاں! کر سکتی ہو"

## ۴۔ خالہ اور ماں کی کسبیلی کی خدمت

ایک مرتبہ کسی صحابی رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) جس نے ماں کی صورت ہی نہ دیکھی ہو، وہ کیا کرے؟ فرمایا اپنی خالہ کی خدمت کرے کہ وہ ماں جیسی ہوتی ہے۔



جب پوچھا گیا کہ اگر خالہ بھی نہ ہو تو کیا ارشاد ہے؟  
 فرمایا، ”اپنی والدہ کی سہیلی کی خدمت کرے۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی والدین کی خوشنودی میں ہے

امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے  
 اس ذکر میں فرمایا :

”ماں باپ کو ستانے والوں کو نہ نماز اور نہ روزہ جہنم سے بچائے  
 ، نہ زکوٰۃ اور نہ ڈبل حج مان کے لئے میں دوزخ کا فتویٰ دے رہا ہوں۔“

۲۔ توبہ کی قبولیت والدین کی اطاعت میں ہے

قرآن حکیم میں ہے کہ اپنے ظاہری برتاؤ سے بھی ماں باپ کا ادب  
 و تعظیم کریں اور دل میں بھی ماں باپ کی طرف سے کوئی برا خیال نہ  
 آئیں۔ دنیا میں اللہ عزوجل کے بعد وہی تمہاری دیکھ بھال کرتے ہیں  
 وہ ہر طرح سے تمہارے آرام کا خیال رکھتے ہیں اور خود تکلیف اٹھا کر  
 تمہیں راحت پہنچاتے ہیں۔ دیکھو! دل میں ان کی خیر خواہی کے سوا  
 وہ کچھ خیال نہ آنے پاتے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دل کی حالت سے  
 اچھی طرح واقف ہیں۔ اگر کسی سے ماں باپ کی خدمت میں کوتاہی ہو جاتی  
 تو وہ اللہ کے سامنے اس کی توبہ کرے اور ہمیشہ ان کے ساتھ نیک اور  
 حسن سلوک سے پیش آئے۔ اگر تم نیک رہے تو اللہ تعالیٰ تمہارا عذر قبول

کرے گا اور تمہاری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے گا اور تمہاری توبہ قبول کرے گا تمہارا قصور معاف کر دے گا کیونکہ وہ بڑا بخشنش کرنے والا ہے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی اطاعت کرنے سے دونوں جہانوں میں بھلا ہو گا۔

## ۴۔ جنت کی کنجی ماں کے قدموں میں ہے

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی کیا مقدار ہے؟

فرمایا کہ جو کچھ تیری ملک میں ہے ان پر خرچ کر لے اور جو وہ حکم کریں اس کی اطاعت کر لے۔ بجز اس کے کہ وہ کسی گناہ کا حکم کریں۔ یہ بھٹی اسلام کی تعلیم۔ اگر اللہ تعالیٰ والدین کی اطاعت کا حکم نہ فرماتے تب بھی عقل سے یہ بات سمجھ ہی آتی ہے کہ ان کا حق بہت ضروری اور اہم ہے چہ جائیکہ خداوند تعالیٰ نے اپنی سب کتابوں، تورات، انجیل، قرآن مجید میں ان کا حق ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ تمام انبیائے کرام کے حق کے بارے میں وحی بھیجی اور تاکید فرمائی۔ اپنی رضا کو والدین کے ساتھ وابستہ کیا اور ان کی ناراضگی پر اپنی ناراضگی مرتب فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ماں باپ کو خوش رکھا جائے ناراض والدین کی اولاد سے اللہ تعالیٰ بھی ناراض رہے گا اور ان دونوں میں سے ایک کی بھی ناراضگی جنت سے دور کر دے گی۔

# اللہ تعالیٰ کی وعید

والدین کی خدمت کا صلہ جنت ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ :-  
 ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ احسان کا اور نیک  
 بن کرنے کا حکم دیا۔ (باکhusus) ماں کے ساتھ احسان کا اور بھی  
 وہ، کیونکہ ماں نے بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنم اور پالا۔ دودھ  
 پلانے میں کم از کم دو سال ہو جاتے ہیں کتنی طویل مشقت ہے یہاں  
 ، کہ جب جوان ہوتا ہے اور جو سعید معنی فرماں بردار ہوتا ہے وہ  
 بنا ہے ، اسے میرے پروردگار! مجھے توفیق دیجیے کہ میں ایسے  
 نیک کام کروں اور والدین کی خدمت کروں جن سے آپ راضی ہو جائیں  
 اللہ تعالیٰ شانہ، ان لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے  
 کاموں کو ہم قبول کر لیں گے اور ان کی برائیوں سے درگزر کریں گے  
 اپنے وعدہ کے مطابق والدین کی خدمت کے صلے میں انہیں  
 جنت الفردوس عطا کریں گے۔

# حصہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان

تعمیر کا مستحق باپ سے

۹- خدمت کے لحاظ سے ماں کا درجہ بڑھا ہوا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔ ایک آدمی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! میرے

کاتب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا۔ "تیری

اس نے پھر کہا کہ پھر کون؟ فرمایا۔ "تیری ماں" تیرے

دفعہ بھی یہی فرمایا کہ۔ "تیری ماں"۔

اس شخص نے پھر کہا، پھر کون، فرمایا۔ "تیرا

اس شخص سے معلوم ہوا کہ ماں کا درجہ باپ سے بڑھا ہوا

سورت لقمان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ہم نے انسان کو والدین کی شکرگزاری کا تاکید حکم دیا ہے

فرمایا: "اس کی ماں نے اس کو تکلیف پر تکلیف پھیل کر اپنے شکم

اٹھایا۔ پھر دو سال تک اپنے خون سے اس کو پالا"۔ ماں نہ صرف

لال کو سخت دشواریوں سے گزر کر نو مہینے تک اپنے پیٹ میں رکھتی ہے

بلکہ اس کی پرورش اور تربیت میں اپنے آرام اور اپنے چین کو کھوٹی

اور اپنی پوری توجہ و انتہاک سے اس کا کردار بناتی ہے جو بلاشبہ کوئی

کام نہیں۔ اسلام نے ماں کی عزت کو فروں تر کرنے اور اسے اپنی اور

کی سیرت گری میں زیادہ سے زیادہ یکسوئی، دلجمعی اور محبت و شفقت کے ساتھ حصّہ لینے کی غرض سے اسے کئی دینی فرائض، تمدنی فرائض سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور اس کی تمام تر مصروفیت یا سرگرمیوں کو گھر کی چار دیواری کے اندر سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ اسلام کا اولین مدعا یہ ہے کہ عورت ماں کے روپ میں اسلامی معاشرہ کے لئے بہترین سیرت و کردار کے افراد مہیا کرے۔ پس ماں کی ساری عظمت و بزرگی اس حقیقت سے عبادت ہے۔ اولاد کو چاہیے کہ ایسی برگزیدہ مہستی ماں کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔

ماں کی بے ادینی اوگتاجی سے باہر، پاؤں اور آنکھ سے محرومی

ایک شخص نے حج کا ارادہ کیا اور والدہ سے حج کرنے کی اجازت طلب کرنے کی غرض سے حاضر خدمت ہوا۔ والدہ سے اپنا ارادہ ظاہر کیا اور اجازت چاہی۔ والدہ نے اس نیک سفر کی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ بیٹا، تم یہی رہ کر میری خدمت کرتے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ تم سفر حج پر جاؤ تو میرا بعد میں کوئی پرسان حال نہ ہو۔ اور میں مرجاؤں۔ لہذا تم میرے پاس رہ کر میری خدمت کرتے رہو۔

بیٹے نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ دوسرے سال پھر والدہ کو اپنا ارادہ ظاہر کیا تو والدہ صاحبہ نے پھر پہلے کی طرح جواب دے کر روک لیا۔ تیسرے سال بھی ایسا ہی ہوا۔ بالآخر چوتھے سال بھی والدہ صاحبہ کی خدمت میں

حاضر ہو کر اپنے ارادہ کو دہرایا تو پھر بھی والدہ کی طرف سے حسب سابق ہی کی طرح جواب ملا، تو اس پر یہ شخص سختی اور ترش کلامی سے بولا کہ خدا جانے ماں تم کب مرو گی۔ تم نے تو مرنا ہی نہیں۔ ایسے تو میں حج پر جا ہی نہیں سکتا۔ تو اس کی والدہ صاحبہ دل برداشتہ ہو کر کہنے لگیں کہ تم نے تو میرے دل کو بہت ٹھیس پہنچائی ہے۔ کیا میں نے تمہارے مُنہ سے ایسی منجوس اور دل آزار بات سننے کے لئے جتا تھا۔ ماں کے دل شکستہ سے بد دُعا نکل گئی۔ بس پھر کیا تھا، ماں کے مُنہ سے آہ کانکنا تیر کمان سے نکل گیا اور عرش تک جا پہنچا۔

ادھر وہ شخص حج کے سفر کی تیاری کر کے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ خدا کا غضب و قہر اور غصہ جوش میں اچکا تھا۔ دورانِ سفر جب رات کی تاریکی نمودار ہونے لگی تو یہ شخص رات گزارنے کی غرض سے ایک مسجد میں وارد ہوا۔ مسجد کے متصل گلی کے ایک مکان میں چوری ہو گئی۔ محلہ دارچور کے تعاقب میں بھاگے بھاگے چور کے پیچھے جا رہے تھے۔ چور نے جو اپنا پیچھا ہوتے دیکھا تو اسی مسجد کے اندر چوری کا مال پھینک کر کہیں چھپ گیا۔ اتنے میں محلہ دار تعاقب کرتے ہوئے مسجد میں آگئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ چور صاحب تنجد میں نماز پڑھ رہے ہیں اور چوری کا مال پاس پڑا ہوا ہے۔ محلے داروں نے سمجھا کہ یہی چور ہو گا۔ پھر کیا تھا چور صاحب کی خوب پٹائی ہوئی۔ وہ شخص کہہ رہا تھا کہ میں چور نہیں ہوں، کوئی اول ہو گا۔ مگر نگار خانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا۔ محلے دار کہہ رہے تھے



نلے چور نالے چتر، کمرنی چوری پڑھنی تہجد۔ محلے داروں نے اس شخص کا منہ کالا کیا اور شہر کے قاضی صاحب کے پاس لے گئے۔ لوگوں نے قاضی صاحب سے سارا قصہ کہہ سنایا۔ قاضی صاحب نے چوری کی سزا میں ہاتھ پاؤں کاٹنے اور مسجد میں چوری کر کے تہجد پڑھنے کی پاداش میں آنکھ اور بیان کو نکالنے کا حکم صادر کیا۔

یہ ”چور صاحب“ کہہ رہے تھے، میری زبان نہ کاٹو تاکہ میں اپنا قصہ اپنی زبان سے سناسکوں۔ جب ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور آنکھ نکال دی گئی تو پھر قاضی صاحب نے فرمایا کہ اب اپنی زبان سے اپنا قصہ بیان کرو اس شخص نے کہا کہ یہ سزا جو مجھے ملی ہے میری والد صاحبہ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ سارا قصہ بیان کر کے کہا کہ اب مجھے میری والدہ کے پاس لے چلو۔ جب سب لوگ مل کر اس کی والدہ کے پاس آئے تو معلوم ہوا کہ اس کی والدہ صاحبہ کا انتقال ہو چکا ہے۔

معلوم ہوا کہ ناراض ماں باپ سے خداوند کریم بھی ناراض رہتا ہے۔

## ماں کی بددعا کا اثر اور معافی کے کرشمے

ایک شخص اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے شرف، عابد، زاہد، متقی، صوم و صلوات کا پابند بیمار ہو کر بستر مرگ پر لیٹ گیا۔ جان کنی کی حالت تھی۔ زبان پر کلمہ جاری نہ ہوتا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر کئی اصحاب نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر

ہو کر اس کا ماجرا سنا یا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس کی والدہ  
کہو کہ میرے پاس لشرفِ لاویں یا اگر وہ نہ آسکیں تو ہم بہ نفسِ نفس  
کے پاس چلیں گے۔

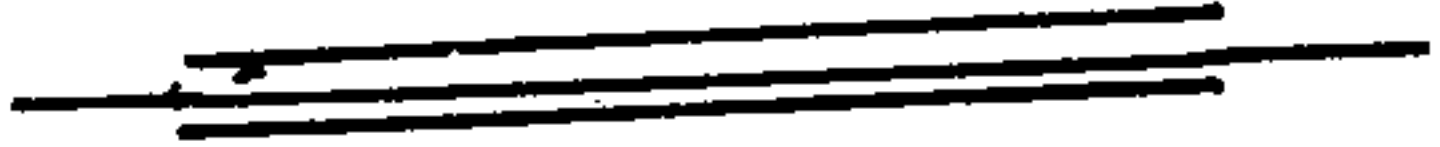
چنانچہ اصحابؓ نے جب اس کی والدہ کو حضور کا پیغام پہنچایا تو  
صاحبہ خود فوراً حضور کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئیں حضور علیہ الصلوٰۃ  
نے بیمار صحابی کی والدہ سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارا بیٹا صوم و صلوٰۃ  
شریعت کا پابند نہ تھا؟ والدہ نے کہا کہ حضور بیشک وہ اسلام کا پابند  
تھا۔ اسلام کے احکامات ماننا اور عمل کرتا تھا۔ تو اس پر حضور نے فرمایا  
کیا بات ہے کہ اس کی جان کنی ہیں اتنی دشواری ہو رہی ہے۔ بہت  
میں مبتلا ہے۔ اس صحابی رسول کی والدہ نے کہا کہ حضور! یہ لڑکا میرا  
گستاخی کرتا تھا۔ اپنی بیوی کی شکایت پر مجھے ڈانٹ ڈپٹ کرتا رہتا  
مجھ سے بہت سختی کے ساتھ پیش آتا تھا تو اس پر میرے منہ سے بد  
ہوتی ہے۔ میں اس سے خوش نہیں ہوں۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مائی صاحبہ! اپنے  
معاف کر دو۔ مائی صاحبہ نے کہا کہ حضور! اس نے مجھے بہت سزا  
میں معاف نہیں کروں گی۔ تو حضور علیہ السلام نے تمام اصحابؓ سے  
کہ لکڑیاں اکٹھی کرو اور آگ لگا کر اس کے بیٹے کو اس جلتی آگ میں جلا دو  
تاکہ دنیا میں ہی اس کے گناہ معاف ہو جائیں۔  
یہ سن کر مائی صاحبہ نے کہا کہ حضور! اس نے مجھے بہت سزا

کیجیے۔ میں اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے بیٹے کو جلتا نہیں دیکھ سکتی۔  
 تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آخرت میں دوزخ کی آگ اس  
 سے کہیں زیادہ ہے۔ تو والدہ نے فرمایا کہ ہاں کہہ دو کہ میں اپنے بیٹے  
 تصور معاف کرتی ہوں۔ ادھر ماں کے منہ سے یہ معافی کے الفاظ  
 لے، ادھر بیمار بیٹے کی زبان پر کلمہ جاری ہو گیا اور بیٹے کی روح نفس  
 صری سے پرواز کر گئی، حضور نے فرمایا کہ اس کی بخشش ہو گئی۔



معلوم ہوا کہ ماں کی بددعا کا اثر اولاد کی بربادی ہے اور ماں کی خوشی  
 معافی کے کرشمے دوزخ سے خلاصی اور عفتی میں سرخروئی اور فلاح  
 نئے میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔



# میری عظیم ماں

مذاہبِ عالم نے ماں کو دنیا کے تمام رشتوں سے بلند مقام عطا  
 اجاب و اعزاز کی مائیں جب اس جہانِ فانی سے اپنی زندگی کا سفر پور کر  
 کی طرف سدھارتیں یعنی قضائے الہی سے فوت ہو جاتیں تو ان سو گوارا  
 کے رنج و الم، پر مزدگی اور پریشانی کے آثار مرتب ہوتے دیکھ کر دل  
 میں کہتا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو آہ و بکا و گریہ زاری کرتے ہیں۔ ایسے  
 تو صبر و تحمل کی سخت تاکید ہے لیکن جب میری ماں اس ظاہر  
 مٹھ موڑ کر ترا ماں ترا ماں چلی گئیں تو پتا چلا کہ یہ اعزازِ اجاب تھا  
 بشری کے سبب اپنے مضطربانہ اظہارِ و غم میں کچے تھے۔ مزید  
 بھی سامنے آئی کہ انسانیت کے ہونٹوں پر اگر کوئی خوب صورت  
 بخش لفظ ہے تو وہ ماں ہے۔ المحقر! ماں ہی سب کچھ ہے۔  
 اندوہ و غم میں ہماری ڈھارس، تسلی و تسفی اور مرہم ہے۔ اللہ  
 بعد آخری امید، ہماری کمزوری و ضعفی میں زبردست طاقت  
 خالق کائنات نے ماں باپ کو رپ صغیر کہہ کر تمام رشتوں پر فضیلت  
 بخشی ہے۔

حضورِ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مشیتِ ربانی کے

اور شش شفقّت ماں کو یہ مرتبہ بخشا کہ اس کے پاؤں کے نیچے جنت قرار  
 میری ماں نے جب اس جہانِ فانی سے عالمِ بالا کی طرف کوچ کیا اور  
 روحِ قفسِ عنصری کی طرف پرواز کر گئی تو اس وقت والدہ صاحبہ کی  
 نہ یہ پتی کہ قویٰ مضمحل ہو گئے، ہونٹ سبل گئے، غم کا اظہار لبوں کی بجائے  
 دوں کی شکل میں بہ جاتا۔ مجھے زبردست احساسِ محرومی ہوا۔ ایسا احساس  
 سے مجھ سے دولتِ کوہن چھین گئی ہو۔ محبت و الفت و مروت کے  
 جس کی آبیاری میری والدہ نے سالہا سال سے آپِ اخلاص سے  
 ، نثران کی نذر ہوتے ہوئے نظر آرہی تھی۔ اس نے ساری عمر ہماری  
 و نما اور پرورش میں صرف کی۔ ہمارے اندر مہمت و استقلال، محنت  
 و عشقِ شناسی پیدا کی۔ ہر وقت دعائیں مانگتیں کہ ”اللہ سو سہنیا! کسے دا  
 نج نہ کریں۔ ان کی یہ دعائیں مقبول ہوئیں مگر خود کسی سے خدمت کرانے  
 ہی عالمِ بقا کو چلی گئیں۔

میری ماں نے ہمیں بہت کچھ دیا۔ ان کی عطاؤں اور دعاؤں کا اثر ہے  
 ہم سب بھائی و بھائی کی زندگی میں کامرانی سے ہمکنار ہیں۔ میں ایک اخلاص  
 سے لہجے میں سعادت مند بیٹے کی حیثیت سے ماں کی روح سے وعدہ کرنا  
 کہ جب تک میں زندہ رہا اسے زندہ رکھوں گا۔ ان کی زندگی کے روشن  
 دوں کو اجاگر کرتا رہوں گا۔ ان کی دعاؤں کے صدقے جو مجھے حاصل  
 ہے، کتبہ کی خدمت میں کبھی فروگذاشت نہیں کروں گا۔ ان کے سب  
 میں سے عمریں بڑا ہونے کے لحاظ سے اپنے کتبہ کی فلاح و بہبود کے

لئے اور جو کچھ میرے قدر امکان میں ہوگا، میں اپنا فرض ادا کرتے ہیں کبھی کو نہیں کروں گا۔

دعا سے کہ خداوندِ کریم اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے کے اپنے خاندان کی خدمت کی توفیقِ ارزانی فرمائے تاکہ میں اپنے والدین کی روحِ فتوح کے لئے تسکین اور ٹھنڈک کا باعث بنوں اور میرے جذبے میں استقامت بخشنے۔ آمین! ثم آمین! وما توفیقی الا باللہ!

## والدہ مرحومہ کی مختصر سوانحیات

نام : مائی حاجن اللہ رکھی۔

مقام و تاریخ پیدائش : موضع اکر پورہ ضلع لاہور۔ سن تقریباً ۱۹۰۷ء

والد صاحب کا نام : میاں کریم بخش۔

آپ کے والد صاحب اپنے گاؤں کے حوالدار تھے۔ آپ کے

کی بڑی شہرت تھی۔ میاں کریم بخش آس پاس کے دیہات میں بھی اپنی

دیانت داری، ایمان داری کے لحاظ سے کافی شہرت رکھتے تھے۔

و اے انھیں ملاں جی کہہ کر پکارتے تھے۔ اپنی قوم کے علاوہ گاؤں

بند و سکھ بھی ان کی بہت عزت کرتے تھے اور احترام سے پیش آتے

آپ کی شرافت و عزت اور دیانتداری کو دیکھ کر گاؤں کے لوگ اپنے

و دیگر جھگڑوں میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ کو اپنا

آپ ایسا غیر جانبدارانہ فیصلہ کرتے کہ سبھی لوگ خوش ہو جیتے۔



میاں کریم بخش کے ہاں دو لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ لڑکوں  
 نام خواجہ دین اور چیرا عذین اور لڑکیوں کے نام اللہ رکھی اور رمضان  
 بی تھے۔ ہماری والدہ اللہ رکھی سب سے بڑی دختر نیک اختر تھیں جب  
 بی صاحبہ ذی شان سن بلوغت کو پہنچی تو آپ کی شادی ۱۹۰۲ء میں حاجی  
 محمد صاحب (میرے والد) کے ساتھ ہوئی۔ میاں کریم بخش اور حاجی  
 محمد کی آپس میں قرابت داری بھی تھی۔ حاجی نور محمد صاحب کی پہلی  
 زوجہ فوت ہو چکی تھی لہذا والد صاحب کی یہ دوسری رفیقہ حیات تھیں۔  
 میں ان کا قدم ہر لحاظ سے مبارک ثابت ہوا۔ یہ شادی سسرال کے لئے  
 بی نیک فال تھی۔ آپ کے عقد میں آنے سے پہلے سسرال والوں کی  
 حالت بہت کمزور تھی۔ آپ سسرال والوں میں ایک لکشمی دیوی بن  
 رہیں۔ حاجی صاحب (والد) کے کاروبار میں دن دگنی رات چوکنی ترقی  
 ہوتی گئی۔ یہ نیک دل خاتون اپنے خاوند کی خدمت گار اور گھر بلو مشاور  
 میں ہر طرح سے ممد و معاون ثابت ہوئیں۔

خداوند کریم نے مانی صاحبہ کو وہ دل عطا کیا تھا جس کے لئے ہر دل  
 میں جگہ ہوتی ہے جو خوش خلقی، تحمل مزاجی، راست گفاری، ملنساری، خدمت  
 گاری کی خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ آپ نے عمر بھر خود داری اور خود اعتمادی  
 کا اصول اپنائے رکھا۔ وہ پردہ کی بے حد پابند تھیں۔ آخر عمر تک پردے  
 کی پابندی سے ہم کنار رہیں۔ شرم و حیا اور سادگی کو اپنی زندگی کا شعار  
 بنائے رکھا۔ سادگی ان کی فطرت میں سمائی ہوئی تھی ان کے لباس میں

تو دونمائش نام کونہ تھی۔ زیور تو درکنار، ان کے ہاتھ چوڑیوں سے بے  
 تیار رہے۔ آپ نے ازدواجی زندگی کی ۵۷ بہاریں دیکھیں۔ میاں بیوی کی  
 زندگی نہایت خوشگوار گزری۔ آپ ایک روشن خیال اور مثالی رفیقہ  
 حیات تھیں۔ ان کے گھر کے درو دیوار محبت کی اور سکون کی فضا سے معمور  
 رہے۔ گھر یلو اختلافات کو اپنے تازن تدریس سے یوں حل کیا کہ گھر یلو زندگی  
 کے سکون پر کبھی آپس نہ آنے دی۔ وہ اپنے شوہر کی ہر راحت اور تکلیف  
 میں برابر کی شریک رہیں۔ ان کے عظیم شوہر ہی ان کے مشورہ کو بہر حال مقبول  
 سمجھتے تھے۔

صرف یہی نہیں بلکہ وہ ایک شفیق ماں بھی تھیں۔ انہیں اپنی اولاد  
 سے بے انتہا محبت تھی۔ ان کے بلیے جب ملازمت کے سلسلہ میں باہر  
 جاتے تو ان کی اضطراری و اضطرانی کینیت چھپائے نہ چھپتی۔ وہ بہت  
 آبدیدہ ہو کر بڑی بڑی دعاؤں سے انہیں رخصت کرتیں۔ وہ اپنے  
 خاندان کے لئے شہیرا بہ دار تھیں۔ اپنی اولاد کے حق میں اکثر یہ دعا  
 کرتیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو نیک اور سیدھے راستے پر گامزن کرے اور وہ  
 اپنے باپ کی سی منانت اور صداقت و ثرافت پائیں۔ ان دو جملوں میں  
 جہاں اولاد کے لئے دل میں ایقانہ محبت کی جھلکیاں پائی جاتی ہیں، وہاں  
 اپنے شوہر کی عزت توقیر کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمند بھی نظر آتا ہے۔ مانی خان  
 ذیشان اور حاجی بابا نور محمد اولاد کے لحاظ سے خوش قسمت رہے۔ ان کے

باوجود اولاد خاندان کے کسی خوش نصیب کے حصہ میں نہیں آئی۔ آپ کی  
 ملت کے وقت اٹھ لڑکے اور دو لڑکیاں بقیہ حیات تھے۔ والد صاحب  
 پہلی زوجہ کے بطن سے بھی ایک لڑکا تھا جو دوسرے عقد کے وقت  
 واڑھائی سال کا تھا۔ اسے بھی آپ نے اپنی حقیقی اولاد کی طرح پالا اور  
 اس کے سب حقوق ادا کئے۔ باوجود اتنی کثیر اولاد ہونے کے گھر کے سب کام  
 سچ اپنے ہاتھوں سرانجام دیتی تھیں۔ سوت کانتیں، بھینس کے لئے چار  
 نہ ہانڈ کی چکی سے خود دلتیں۔ کپڑے دھوتیں اور ہانڈی رونی بھی خود  
 رتیں۔ گھر کیو کام کاج سرانجام دینے سے کبھی تھکاوٹ محسوس نہ کرتیں۔  
 ماہ روزہ پابندی سے ادا کرتیں۔ کسی کے فوت ہو جانے پر، اپنی برادری  
 ماہوتانہ غیر برادری کا، محلے میں ہر فرتیدگی پر وقت مقررہ پہنچ جاتیں۔  
 ہی وجہ تھی کہ آپ کے جنازے میں دور و نزدیک کے لوگوں کی اتنی کثیر  
 خداداد شکر ت کی کہ بیان سے باہر ہے۔ ساری عمر سکی، پارسائی، شکر  
 روت، تحمل مزاجی اور خوش طبعی سے گزاری۔

جب اللہ تعالیٰ کے حضور سے حج کے لئے منظور ہوئی تو آپ  
 نے حج کے ارادے سے حرمین الشریفین کا رخت سفر باندھنے سے  
 پہلے اپنے رشتہ داروں وغیر رشتہ داروں کے ساتھ اپنے تمام معاملہ  
 صاف کئے کہ یہ فرمان رسول ہے۔ قریبی رشتہ داروں کے گھر گھر جا  
 کر ملیں۔ حقوق العباد کا پورا پورا حق ادا کیا اور یوں اپنی عاقبت سنوارنے  
 کے لئے خانہ کعبہ و روضہ اقدس پر حاضری دینے کے لئے اپنے شوہر

کے ہمراہ حجازِ مقدس تشریف لے گئیں۔

ایسی کامیاب زندگی گزارنے اور اپنی سب اولاد سے فراغت حاصل کرنے والی خاتون دنیا میں شاید خال خال ہی نظر آتے۔

## سفرِ آخرت

اس ظاہری دنیا میں سب سے بڑھ کر حوادث میں سب سے بڑھ کر المناک ترین واقعہ کسی کی موت ہے۔ کسی رشتہ دار و غیر رشتہ دار کی موت کاٹن کر دل کو دھکاتا ضرور لگتا ہے۔ لیکن جب موت کا بے رحم ہاتھ کسی ایسی زندگی کو چھین لے جس کی موت ہر ایک کے لئے خلا محسوس ہو جسے اپوں کے علاوہ بیگانے بھی روتے ہوں جس کے حسن اخلاق کا سکہ ہر دل پر نقش ہو، تو ایسی نیک خاتون کا داغِ مفارقت دے جانا غم ہے۔

کل من علیہا فان

رحلت سے تقریباً دو سال پہلے سے شوگر جیسی موذی مرض نے آگھیرا۔ ٹیسٹ رپورٹ سے معلوم ہوا کہ چھ فی صد شوگر آرہی ہے۔ ڈاکٹر نذیر حسین انچارج ہسپتال قصور نے اپنے پرائیویٹ کلینک میں جب شوگر ٹیسٹ کی توجیران ہو کر میرے بہنوئی میاں الہی بخش صاحب سے فرمانے لگے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ یہ مریضہ گھر کے کام کاج کے علاوہ مکان کی چھت پر جانے کے لئے بیٹھیاں بھی چڑھ جاتی ہے مگر میں نہیں مانتا کہ اتنی شوگر والی مریضہ بیٹھیاں بھی چڑھ جاتی ہو۔ اگر واقعی ایسا ہے تو یہ مریضہ بہت ہی

بزرگ ہستی ہے اس پر خداوندِ کریم کا خاص ہی فضل اور رحمت ہے جس کی وجہ سے ایسا ہے۔

طبیعت دن بدن کمزور ہوتی جا رہی تھی اچھے اچھے نامور ڈاکٹروں کے علاج سے بھی کوئی آفاقہ نہ ہوا۔ بالآخر مورخہ کو دل کا شدید دورہ پڑا اور جسم پر بالکل بے ہوشی طاری ہو گئی۔ علاج معالجہ کی کافی تنگ و دو کی گئی لیکن بے سود۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی یہ بے ہوشی شوگر والے مرض کو جو آخری دم تک رہتی ہے اسے میڈیکل میں قومہ کہتے ہیں۔ تھوڑی سی ہوش آنے پر آنکھ جو کھولی تو مایوس بچوں کے مرجھاتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر پوچھا، کیا محمد نواز لائل پور سے آ گیا ہے؟ جواب ملا "نہیں" فرمایا، اُسے بلاؤ۔ سو برادران نے مجھے فون کیا کہ والدہ صاحبہ علیل ہیں، جلدی پہنچو۔ یہ سنتے ہی میرے پاؤں سے زمین نکل گئی۔ فوراً قصور کے لئے روانہ ہو گیا۔ والدہ صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے آنے کی اطلاع دینے کے لئے آواز دی تو والدہ صاحبہ نے ایک دفعہ آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور صرف ہاتھ کے اشارے سے ہی فرمایا، آگئے ہو! بس اس کے بعد آنکھیں بند کر لیں۔ یہ آنکھیں پھر نزاع کے وقت ہی کھلیں۔ دل ڈوب جانے کی وجہ سے بیہوشی مسلسل بڑھ رہی تھی بس اب پانی وغیرہ کے پینے کے لئے ہاتھ کے اشارے پر ہی اکتفا تھا، سچ ہے۔

زندگی کیا ہے؟ عناصر کا ظہور تریب موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشا ہونا

محرم الحرام کا متبرک مہینہ تھا۔ چاند کی دس تاریخ اور جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ صبح طائرانِ جن میں خوش الحان کی چہک مہک میں وہ دلکشی نہ تھی جیسی ہونی چاہیے۔ سورج کی کرنوں میں روزمرہ کی تمازت نہ تھی۔ فضا قالموش تھی اور ہوا مدھم۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج قائدانِ نور پر کوئی حادثہ گزرنے والا ہے مگر حکمِ خداوندی کے سامنے ہر تسلیم خم تھا۔ مکان کے صحن میں ایک کونے پر ایک بالٹی جو چھت میں لٹکی ہوئی تھی اس میں کپڑوں نے پیچھے دے رکھے تھے، وہ کیوتر بھی اپنی جگہ پر بے حس و حرکت بیٹھے اپنی فطرت سے مجبور تھے۔ ہوا جاں نلف ہونے کے خوف سے اہستہ اہستہ چل رہی تھی۔ آسمان کارنگِ فوق تھا اور زمین شوق ہونے پر آمادہ۔ اسی حالت میں نصف دن گزر گیا۔ صبح ہے کہ سورج بھی گہنا جاتا ہے اور چاند بھی آخری تاریخوں میں ڈوب جاتا ہے۔ ستاروں کو بھی ٹوٹ کر اپنی آب و تاب کا آخری شعلہ بار نشان دکھانا پڑتا ہے۔ ایسے ہی انسان جو بہت تیزی سے ابھر کر ایک روشن ستارے کی مانند اپنے وجود کی اہمیت چھوڑتا ہوا جاتا ہے کہ اگر اچانک یوں ہم چشموں سے اٹھ کر چلا جائے تو کسے یقین آئے کہ کسی کی والدہ، کسی کی ہمیشہ اور کسی کی دادی تانی اور کسی کی پردادی اللہ کو پیاسی ہو گئی۔

دوپہر کے ایک بجے مسجد میں مؤذن نے جمعہ کی پہلی اذان دی۔ اذان سن کر والد بزرگوار حاجی نور محمد صاحب نہایت منموم دل کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنے چلے گئے۔ ادھر والدہ صاحبہ کے چہرہ کی حالت دیکھ کر



صاف عیاں ہو رہا تھا کہ بس دو چار سالیں باقی رہ گئیں ہیں ۷  
 کونسا جھونکا بچھا دے گا کسے معلوم ہے  
 زندگی اک شمع روشن ہے ہوا کے سامنے

معاً والد صاحب جمعہ کی نماز پڑھ کر دروازے میں نمودار ہوئے تو چہرہ  
 کی حالت دیکھ کر ہم سب کو فرمایا کہ کلمہ شہادت پڑھو میں یہ نزع کا عالم  
 تھا۔ موت کی ٹکٹکی بندھ چکی تھی۔ ٹھیک دو بج کر ۴ منٹ پر اس بزرگ  
 خاتون یعنی میری والدہ کی روح قفسِ عنصری سے عالم جاودانی کو سدھا  
 گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اس وقت آپ کی عمر ۷۷ سال تھی۔ دنیا میں سب کی منزل تو وہی  
 ہے جس کی طرف سب گئے ہیں اور روزانہ چلے جا رہے ہیں۔ رہے

تمام اللہ کا ۷

آہی گیا وقوع میں آخر وہ حادثہ  
 سولہاں روح و قلب تھا جس کا خیال بھی

یقیناً موت سے اس کی زیادہ مرگ عالم سے  
 کلیجہ شوق ہوا جاتا ہے میرا شدتِ غم سے

فانی ہر ایک چیز یہاں لا کلام ہے

کہتے ہیں جس کو باقی وہ اللہ کا نام ہے

ایک وحشت ناک، رُوح فرسا، دلوں پر بجلی گرا دینے والی، خون  
 کے آنسو رلانے والی اور بہت سی امیدوں کو خاک میں ملا دینے والی

اندوہناک خیر سائے خاندان میں پھیل گئی کہ اماں حاجن فوت ہو گئیں میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ دنیا تیرہ خاک نظر آنے لگی چشم پر نم نے ایک سرد آہ بھری اور کہا کہ خدا آپ کو عریقِ رحمت کرے ہے

ماشاء اللہ بخت ہے دنیا کا منظر  
اے خیرِ احوال کا کیا اعتبار ہے  
ہر کام کو سے وقت مقرر نے گھیرا  
موت کی خیر بھلی کی طرح ہر جگہ پھیل گئی اور متعلقین رشتہ دار و غیر رشتہ

دار ان کی آن میں اکٹھے ہو گئے محلہ اور گلی میں بہت بڑا ہجوم دیکھ کر  
ایک اجنبی راہ گیر لوجھ بیٹھا کہ کون فوت ہو گیا ہے کہ لوگ اس قدر تالا  
اور گریہ خواں ہیں؟ تو لوگوں نے فر داً فر داً کہنا شروع کیا، وہ اس محلہ  
بھیر کی ماں تھیں۔ وہ ایک صاحب ایثار بزرگ خاتون تھیں۔ وہ رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عاشقہ صادقہ تھیں۔ وہ شریف خاندان کی تشریف  
عورت تھیں۔ وہ زاہدہ، عابدہ، متقی اور خلیق خاتون تھیں۔ نیک بخت  
اور بڑی زیرک و عقلمند خاتون تھیں۔

الغرض لوگ اس طرح ان کی عظمت کے اوصاف حمیدہ بیان کرتے  
تھے اور کچھ لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ رحمتِ خداوندی ہو بارش ہو اس  
مقدس مہستی پر۔ خدا کی سلامتی ہو اس بزرگ خاتون پر۔ ان پر جنت کے  
دروائے کھل جائیں۔ رحمۃ اللعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سایہ ہو ان پر۔  
ان کی قیرا نوار الہی سے متور ہو۔ ایک پیکرِ عزم و ثبات۔ ایک سلیم الطبع

اور تجربہ کار، معتدل مزاج، سراپا عمل، باخلوص کام کرنے والی آن تھک  
خاتون کا زندگی کا آخری سفر پورا ہو گیا۔ خداوندِ کریم ایسی نیک خصلت  
خاتون کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قضا کس کو نہیں آتی یوں تو سب ہی مرتے ہیں  
پر اس مرحومہ کی بوئے کفن کچھ اور ہی کہتی ہے

تاب اس کے دیکھنے کی نہ لائے چلے گئے  
کیا کیا پری جوان تھے آئے چلے گئے  
دارا رہا نہ تجم نہ سکندر سا یاد شاہ  
تحت زمیں یہ سینکڑوں آئے چلے گئے  
آدم رہا نہ کوئی پیغمبر رہا یہاں  
وہ بھی اسی زمین میں سلاتے چلے گئے

کی بہت تونے غم گساری ماں! ہم ہیں اور شام اشک بائی ماں!  
نیرا مقسوم سے بہشتِ بریں اوداع، القراق پیاسی ماں!  
مائی حاجن گئیں سوئے بہشتِ بریں چھو کر ہم کو وقفِ نالائ و فغاں

روزِ محشر سر پر ہو ظلِ روائے ماں

جس طرح ہم پر رہا اس کے لطف کا سایہ یہاں

آمین! تم آمین!

وقت آگیا، قضا لے گئی

آخر مفاقت کا ہمیں داع دے گئی

نزم جہاں سے اٹھی ایسی صاحب کمال  
 دنیا کے حق پرست میں جس کی نہیں مثال  
 ہستی بشر کی بحرِ قنار کا ہے اک حجاب  
 وہ سطحِ آب پر ہے کبھی وہ ہے زیرِ آب  
 اے اجلِ ظالم اہلِ اٹوٹے ستم یہ کیا کیا  
 سارے گلشن کا نمایاں پھول تو نے جن لیا  
 مفذور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لیتیم!  
 تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے  
 خلاق دو جہاں تھی، تجھ سے سے التجا  
 اس نیک دل خاتون کو فر دوس کر عطا  
 آئینے؟ تم آئینے؟

## تجئیر و تکفین

پچھلے باب میں لکھا جا چکا ہے کہ آپ کا وصال ۱۰ محرم الحرام ۱۹۵۹ء  
 (۱۹۵۹ء) بروز جمعہ المبارک کی بوقت ۲ بج کر ۲۰ منٹ پر جمعہ کی نماز کے فوراً  
 بعد ہوا تھا۔ چنانچہ باہمی مشورہ سے طے پایا کہ کل صبح ۱۰ بجے یعنی محرم الحرام  
 کی ۱۱ کو نمازِ جنازہ پڑھانی جائے گی۔ چنانچہ اس کا باقاعدہ اعلان کیسٹنگ  
 سوگواروں کی موجودگی میں کر دیا گیا۔  
 اب میت کو غسل اور کفن کا مرحلہ درپیش تھا۔ کفن کے لئے ویسی

کھڑکے اس کپڑے کا انتخاب کیا گیا جو آپ نے اپنی زندگی میں ہی اپنے  
 ہاتھوں سے سوت کات کر بنوا رکھا تھا اور جب آپ بغرض حج مکہ معظمہ  
 تشریف لے گئیں تھیں تو اس کپڑے کو بھی ساتھ لے گئی تھیں اور وہاں  
 سے اسے آب زمزم کے مقدس پانی میں تر کر کے واپس لا کر گھر میں مقفل  
 کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ کو غسل دینے کے بعد یہی کفن پہنا دیا گیا۔ رات بھر  
 قرآن خوانی ہوتی رہی۔ مکان کے صحن میں رکھی ہوئی میت کی زیارت کے  
 لئے علی الصبح لوگ گھر میں جمع ہونے شروع ہو گئے۔ آٹھ بجے تک تمام گھر  
 کے اوپر نیچے سب حصے مردوں اور مستورات سے بھر گئے۔ اس وجہ سے  
 مردوں کے لئے بیٹھنے کا انتظام مسجد میں کر دیا گیا۔ ابھی تک مسجد میں  
 بھی کوئی گنجائش نہ رہی تو اب لوگ گلی میں کھڑے ہونے لگے۔  
 اعلان کے مطابق ٹھیک۔ ابھی جنازے کی نماز کے لئے میت کو  
 تمام متعلقین اصحاب و رشتہ داروں نے سسکتے پلکتے چشم پریم کی حالت  
 میں اپنے کندھوں پر اٹھایا۔ اس وقت تمام متعلقین دھاروں مار مار  
 کر رونے لگے۔ یہ سماں اتنا رقت آمیز تھا کہ جذبات پر قابو پانا مشکل  
 ہی نہیں بلکہ ناممکنات سے تھا۔ سب لوگ آنسو بہا کر اپنی اپنی عقیدت  
 کا اظہار کر رہے تھے۔ یہ ایک ایسا منظر تھا کہ اسے دیکھ کر پتھر کا دل بھی  
 پگھل جائے۔ میت کو مکان سے باہر لایا گیا۔ مجمع اس قدر تھا کہ کندھا  
 دینا مشکل ہو رہا تھا۔ اپنے رشتہ داروں کے علاوہ پڑوسی اور دور و  
 نزدیک کے سینکڑوں افراد شریک جنازہ تھے اور اپنے اپنے غم کا

اظہار کرے بھتے مسجد پید گاہ پہنچتے پہنچتے راستہ بھر سے ایک بڑی  
تعداد لوگوں کی شریک ہوتی رہی۔

عید گاہ پہنچ کر ہزاروں لوگوں نے جنازے کے لئے صفیں باہر  
تماز جنازہ قبیلہ الحاج مولانا مولوی عبدالرحمن صاحب مفتی اعظم خطیب  
جامع مسجد کوٹ فتح دین خاں قصور نے پڑھائی۔ مرحومہ کے دو صاحبزادے  
یرادرم حاجی فضل الہی و حاجی محمد حسین صاحبان جنازے میں شرکت نہ کر سکے  
کیونکہ وہ فریضہ مرجع ادا کرنے مکہ معظمہ میں تھے۔

اب میت کو دفن کرنے کے لئے قبرستان لے جا کر قبر کے پاس رکھ  
دیا گیا۔ لحد مبارک کچی اینٹوں سے ایک صندوق نما تیار کی گئی جس پر لکری  
کی چھت ڈالی گئی تھی۔ میت کو جب لحد میں اتارا جانے لگا تو تمام متعلقین و  
حاضرین نے ایک بار پھر اپنی عقیدت کے پھول آنسوؤں کی صورت میں  
نچھاور کئے اور میت کو لحد میں اتار دیا گیا۔

مرحومہ کو سپردِ خاک کرنے کے سارے مراحل میری آنکھوں کے سا

طے ہوئے۔ تدفین سے پہلے اور بعد قبلہ والد صاحب ہمیں سب کو صبر  
کی تلقین کرتے رہے۔ اس دن یہ بات ثابت ہو گئی کہ انسان کی صحیح  
عظمت اس کے کردار کی بلندی پر مبنی ہوتی ہے۔ سب کی بے لوث محبت  
و خدمت کرنے سے ہی سب کے دلوں میں سچی محبت اور لگاؤ پیدا ہوتا  
ہے۔ جب جسدِ خاکی قبر کے گھاٹوپ اندھیرے میں چھپ گیا اور  
منوں مٹی کے نیچے آ گیا تو سب لوگوں نے مرحومہ کے لئے آخری دعا



بصیرم قلب اپنی ڈبڈبائی ہوئی پر تم آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کے حضور کی  
 اور سب نے کہا، مثبت انردی کے سامنے کیا چار ہے۔ انا للہ و  
 انا الیہ راجعون ہے

جسدِ خاکی ہو گیا گٹھے میں گور کے  
 چھپ گئی آخر یہ کشتی جذبہ گرداب میں  
 مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں  
 یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں  
 اب کوئی آواز سوتوں کو جگا سکتی نہیں  
 سینہ ویران میں جانِ رفته آ سکتی نہیں

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر  
 خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر  
 ایک ہی قانونِ عالمگیر کے ہیں سب اثر و چیر  
 بوٹے گل کا باغ سے گل چیں کا سفر  
 بادشاہوں کی کشتی عمر کا حامل ہے گور  
 جادہ عظمت کی گویا آخری منزل ہے گور  
 مثل اذانِ سحر مرقدِ فیروزاں ہو تیرا  
 نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو تیرا  
 آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے  
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

# والدہ صاحبہ مرحومہ کے یاد میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



حیرتی ہوں میں تیری تصویر کے اعجاز کا  
 کج بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پراز کا  
 رفتہ و حاضر کو گویا پاپیا اس نے کیا  
 عہدِ طفلی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا  
 جب تیرے دامن میں پلتی تھی وہ جانِ ناتواں  
 بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زباں  
 اور اب چرچے ہیں جس کی شوخی گفتار کے  
 بے بہا موتی ہیں جس کی چشم گوہر بار کے  
 کس کو اب ہوگا وطن میں آہ! میرا انتظار  
 کون میرا خط نہ آنے سے رہیگا بے قرار  
 خاکِ مرقد پہ تیری لے کر یہ فریاد آؤں گا  
 اب دعائے نیم شب میں کس کو یاد آؤں گا



تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا  
 گھر مرا احباد کا سرمایہ عزت ہوا  
 دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات  
 تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات  
 عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی  
 میں تیری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی  
 کاروبار زندگی میں وہ ہم پسو میری  
 وہ محبت میں تیری تصویر وہ بازو میری  
 نتیجہ کو مثل طفلک بے دست پارتا ہوں میں  
 صبر ناکشنا صبح و نما روتا ہوں میں  
 تخم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بو گئی  
 شکر کتِ غم سے وہ اُفت اور محکم ہو گئی  
 موت ہے ہنگامہ آرا قلزمِ خاموش میں  
 ڈوب جانے میں سفینے موج کی انوش میں  
 دامنِ سپہیں تختیل ہے مرا آفاق گیر  
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر  
 یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے  
 جیسے کعبہ میں دعاؤں سے فضا معمور ہے

تھے دیارِ نو زمین و آسماں میرے لئے  
 وسعتِ انخوشیں مادرِ اک جہاں میرے لئے  
 تھی ہر ایک مجنبتِ نشانِ لطفِ جاں میرے لئے  
 حروف ہم طلب تھی خود زبان میرے لئے



# بیاد والدہ محترمہ حاجن اللہ رکھی صاحبہ

حاجن اللہ رکھی تھی میری پیاری پیاری ماں  
 جواں بہت تھی موت کا ہرگز نہ تھا گماں  
 پالا تھا کس پیار سے تو نے یہیں  
 سبھی اولاد پر تھی تو بہت مہرباں  
 برے وقت میں تو ہر ایک کے کام آئی  
 اپنے پرانے سبب ہی ماتے ہیں تیرا احساں  
 جناب نور محمد جیسا خاوند ملا تھا تجھ کو  
 اے شفیع! ایسی بیوی کہاں؟ ایسا خاوند کہاں؟  
 جب سب کی اولاد دادی کہہ کر پکارے گی  
 تب آپ کے بیٹے بہت ہوں گے پریشاں  
 اے عزرائیل! تو نے نہ کیا کچھ خیال  
 بے وقت چھین لی ہم سے ہماری ماں  
 میری ماں زمین کے سنبھوش میں چلی گئی  
 یہ منظر دیکھ کر بہت رویا ہو گا آسماں

فضل الہی محمد حسین کوچ پر خود روانہ کیا  
 خیریت مکہ سے نہ آئی تو بند کی زباں  
 بیٹے ابھی نہ آئے تھے مگر چل بسی

تیرے بیٹوں کا کتنا مشکل تھا امتحاں  
 تیرے جانے سے اے ماں روشنی ختم ہو گئی

دیکھا جو گھر کی طرف نظر آیا دھواں  
 اے بے رحم موٹا دنیا تجھے رکھے گی یاد  
 اے شفیع! جس خمین میں آئی کر گئی خزاں

○  
 اے خالقِ دو جہاں! بس یہی سے میری دُعا  
 اس نیک دل خاتون کی ہر منزل سکر آسان  
 آمین ○ ○ ○

از: خاک پائے والدہ محترمہ محمد شفیع عفی عنہ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## خاتمہ! کتاب دعا بدعا کا کافی احکامات

قائم حسین کرام! بدادرات عزیز! ہمیشہ گات! آپ کی خدمت میں گزارش ہے اور میری التجا ہے کہ جو بھی اس کتاب دپڑھے وہ اس حقیر مسکین کو بھی اپنی دعا سے خیر میں یاد رکھے اور اگر کسی مقام پر کوئی خطا و لغزش محسوس کرے تو اس کی اصلاح و درستگی فرمائی۔  
(واللہ عندہ اجر عظیم)

یا اللہ! اس کتاب کو میرے باقیات صالحات میں سے بنا دے اور چند روزہ زندگی کے دن جو باقی رہ گئے ہیں وہ اپنی مرنیات میں صرف کر دے۔ یارب العالمین! تیرا کوئی ثانی نہیں اور نہ اپنے بندوں کو بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور اثرات المخلوقات کا مترین لقب دیا ہے۔ مگر افسوس کہ تم نے تیری نعمتوں کی قدر نہ کی اور شکر گزاری کے بجائے تجھے فراموش کر دیا۔ اگر تو بھی ہمیں بھول جائے تو پھر تم ہمیں کے نہ رہیں گے۔ اسے پروردگار! جیسے تعریف کے واسطے تو حکم کرے ویسی ہی تعریف کا سزاوار ہے۔ بلکہ جس قدر بھی ہم تیری تعریف کریں تو اس سے بھی برتر اور اعلیٰ ہے۔

یا الہی! بندہ تیری ہی طرف رجوع کرتا ہے۔ میری نماز، میری عبادت  
میری زندگی، میری موت تیرے ہی لئے ہے۔ میرے گذشتہ صغیرہ  
گناہ معاف فرما اور مجھے بخش دے۔ یا اللہ! میں

قبر سے، دل کے دسواں سے اور کام کے پراگندہ ہونے سے تیرے  
پناہ مانگتا ہوں۔ تمام پریشانیاں اور مصائبِ آلام دور کر اگرچہ میں  
بھی ہوں آخر کار تیرے محبوب کی امت سے ہوں۔

رب العزت! تو میری بات سُنتا اور تو مجھے دیکھتا ہے۔ تو تو میری  
رگ سے بھی زیادہ قریب ہے تو پھر تیرے بغیر دلی ارادوں کا کون  
ہو سکتا ہے۔ میں نہایت حاجت مند اور فقیر ہوں اور اپنے گناہوں  
معزز ہوں۔ اب فضل و کرم کر۔ یا اللہ! میں تجھے

طرح پکارتا ہوں جس طرح کوئی آفت رسیدہ ڈرنے والا پکارتا ہے یا اللہ  
میں اسی طرح آپ کو پکارتا ہوں جیسے حضرت یونس علیہ السلام نے  
کے پیٹ میں آپ کو پکارتا تھا۔ یا اللہ! میں اپنی حاجات میں، مصائب  
و آلام میں اس طرح اس طرح پکارتا ہوں جیسے تیرے خلیل نے  
پکارا اور جیسے تیرے محبوب خلیفہ کبریٰ حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
نے تجھے بدر کے میدان میں یعنی میدانِ کارزار میں پکارا تھا۔ یا اللہ! میں  
آپ کو اس طرح پکارتا ہوں جیسے جس کی گردن تیرے آگے جھکی ہو جس  
آنسو تیرے واسطے بہتے ہوں اور میرا بدن تیرے ہی واسطے ذلیل ہو  
اس کی ناک تیرے ہی لئے مٹی میں ملی ہو۔ اے خدا





یا الہی! تو اپنے اس پوشیدہ علم میں سے مجھے علم عطا فرماتا۔  
 میرے گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی تمام زمین و آسمان والوں پر غالب  
 ہے اور سب چیزوں پر کامل اقتدار و اختیار رکھتا ہے۔ تیرے سوا  
 نامعبود نہیں۔ تو ہی برتر، مقتدر، سب کا نگہبان اور سب  
 قائم رکھنے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی خدا نہیں۔ تو ہی عزت و  
 برت اور برتری کا مالک ہے۔



خداۓ ذوالجلال

قل ہو اللہ احد!  
 غفار و قهار و حمد  
 لہ یلد و لم یولد  
 باقی سب باتیں ہیں رد

ت سے سچی حمد و حمد  
 سیکر مالک میرے آقا  
 تو سید حق باری تعالیٰ  
 اپنی بات میں تو سچا ہے

ہندے سیتیرے ہی ہیں  
میں بھی ہوں رحمت کا طالب

پیر و خواں اور نیک و  
آقا میری کرنا مت

سہرنگوں سے حمدِ خالق میں قلم  
کُٹ سے پیدا کر دیتے کون و مکان  
ہے وہ خالق جملہ موجودات کا  
اس نے ہر شے کو عطا کی زندگی  
خالق اور مالک ہمارا ہے وہی  
میں سبھی فانی، فقط وہ ذات

سے شمار اللہ کی زیرِ قلم  
اس کی قدرت ہے ہر شے سے خیال  
پالنے والا ہے مخلوقات کا  
ہے فقط لائقِ عبادت کے وہی  
بے سہاؤں کا سہارا ہے وہی  
روشن اس کے نور سے ہی شمس و چاند

سہرا  
سہرا

سہرا  
سہرا

8367